



سید جمال الدین نامہ



احیائے تصوف کا علمبردار اور اتحاد بین المسلمین کا نقیب

نوائے صوفیہ انٹرنیشنل ای۔ایڈیشن

بفیضانِ نظر حضرت علامہ بشیر براہ والے قدس سرہ العزیز

سید جمال الدینؒ نامہ

ستمبر 2020ء

شمارہ: 134

غلام حسن حسنو

مدیر اعلیٰ

شعبہ نشر و اشاعت علماء سپریم کونسل

بتعاون

شاہ ہمدان تحقیقاتی ادارہ برائے تصوف

ناشر

www.nawaisufia.com

ویب سائٹ

www.fb.com/nawaesufia

فیس بک

articles@nawaisufia.com

ای میل

مضامین موبائل اور ای میل کے علاوہ موبائل اپلیکیشن اور ویب سائٹ سے اپ لوڈ کر سکتے ہیں۔

ادارے کا مضمون نگاروں کے رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔



فہرست مضامین

01	شمارہ خصوصی سید جمال الدینؒ نمبر	01
	اداریہ	
04	مفتی سید جمال الدین موسوی رحمۃ اللہ علیہ	02
	شکور علی انوار کوروی	
09	تیرا نام باقی ہے جب تک دہر باقی ہے	03
	ابو جمال سید محمد مختار موسوی براہ	
13	مفتی سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات	04
	محسن علی ساقی سرموں	
17	مفتی سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات	05
	محمد محمدی منہاجین	
19	محکمہ شرعیہ صوفیہ نور بخششہ	06
	عسلام حسن حسنو	
26	مفتی سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت و خدمات	07
	ابوریحان کاچو اختر بلغاری	
30	میرے استاد میرے محسن	08
	محمد یوسف ثاقب براہ پائین	

09	ایک روشن چراغ جو بجھ گیا	33
	عشرت بانو بنت غلام حسین براہ بالا	
10	مفتی سید جمال الدین اور آپ کا بے مثال شخصیت	35
	محمد اسحاق عسرفانی	
11	مفتی سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ حیات اور خدمات	37
	محمد یعقوب براہوی	
12	الوداع! اے فخر براہ مفتی سید جمال الدین موسوی الوداع	42
	نشار حسین براہوی	
13	آہ سید جمال براہ کو یتیم کر گئے	47
	عباس شاہد براہوی	
14	مفتی سید جمال موسوی سلسلہ نور بخشش کا عظیم اثاثہ	50
	ابوالندیم نور علی ڈوغنی	



شمارہ خصوصی سید جمال الدینؒ نمبر

اداریہ

ماہنامہ نوائے صوفیہ کا سید جمال الدینؒ نمبر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں نوائے صوفیہ اس سے قبل دو خصوصی نمبر شائع کر چکا ہے پہلا نوائے صوفیہ شمارہ نمبر 122 اپریل 2015ء علامہ محمد بشیرؒ نمبر اور دوسرا نوائے صوفیہ شمارہ نمبر 127 مارچ 2017ء معروف شخصیت بوا فقیرؒ نمبر اور اب تیسرا شمارہ نمبر 134 ستمبر 2020ء سید جمال الدینؒ نمبر۔ امید ہے کہ قارئین اس شمارے کو پسند فرمائیں گے۔

ہم نے کسی تحریر میں یہ نکتہ اٹھایا تھا کہ بلتستان کے دو طبقوں سے دو چیزیں نکالنا بے حد مشکل کام ہے۔ پہلا یہ کہ کسی ملا یا سید سے چندہ کی رقم اور دوسرا یہاں کے دانشوروں سے کوئی تحریر۔ اول الذکر ہمارے موضوع سے باہر ہے دوسری چیز سے ہمارا واسطہ ہے اس لیے ہم اسی پر روشنی ڈالتے ہیں۔

قارئین نوائے صوفیہ جون سے اگست تک کے تین شماروں کو اٹھا کر دیکھ لیں کہ ہم یہ بات کرنے میں کتنا حق بجانب ہیں؟ سب کچھ ہمیں کرنا پڑ رہا ہے جس کا نتیجہ یہ کہ ایک جیسی تحریروں کی وجہ سے نوائے صوفیہ یکسانیت کا شکار ہے جس کا ہمیں ادراک ہے لیکن ہم مجبور ہیں۔

ہم نے یہاں کے مقامی قلمکار دانشوروں سے نہ صرف بذریعہ اشتہار اپیل کی کہ وہ ہماری قلمی معاونت فرمائیں بلکہ لیکچرار محمد اسحاق کے گھر پر ان دانشوروں سے میں نے خود درخواست کی کہ وہ اپنی نگارشات کے ذریعے ہمارا دست و بازو بنیں اچھنبے کی بات یہ کہ اس موقع پر بعض نے ہر مہینے ایک مضمون عنایت کرنے کے عزم کا برملا اظہار کیا تھا لیکن ہمیں اپنی 68 سالہ زندگی کے تجربے کی بناء پر پتہ تھا یہ سارے وعدے اور دعوے مفت دعوت کے کھانوں کا خمار ہے۔

کہ خوشی سے مرنے والے اگر اعتبار ہوتا

چنانچہ ہم نے ایسے اعلانات پر بغلیں بجائیں نہ خوشی کے شادیاں بجاؤ۔ حسب سابق ان وعدہ کرنے

والوں میں پیش پیش حضرات سے کوئی مضمون موصول نہیں ہوا۔ اس کا ہمیں بے حد افسوس ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے ان قلم کار دانشوروں میں سے اکثر سکولوں، کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں سے وابستہ ہیں کورونا وائرس کی وجہ سے سب بند پڑے ہیں اس لیے یہ وقت لکھنے کے لیے سنہرے موقع ہے ایسا موقع اور وقت پھر کبھی ملنا مشکل ہے اس لیے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھانا چاہیے۔ لیکن جب لمحہ فرصت کی قدر ہو، نہ اپنی خداداد صلاحیت کا اندازہ! ایسی صورت حال میں ہم افسوس ہی کر سکتے ہیں؟

سب سے خوش آئند بات یہ ہے کہ پہلے ہم اہل علم سے علمی مضامین لکھنے کی درخواست کر کر کے تھک جاتے تھے لیکن کسی کی جانب سے کچھ نہیں ملتا تھا اس دفعہ ہم نے سوشل میڈیا اور زبانی درخواست کی کہ ستمبر کا شمارہ سید جمال الدین نمبر ہو گا اس کے لیے مضامین درکار ہیں۔ اب ہمیں ایک درجن مضامین موصول ہو گیا۔ اس سے آپ کو یہ اندازہ کرنے میں آسانی ہوگی کہ اب صورت حال تبدیل ہو گئی ہے اہل علم قلم و قرطاس کی جانب ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور آہستہ آہستہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر رہے ہیں یہ بات ہمارے لیے نہایت حوصلہ افزا ہے۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ اس دوران بلاوجہ نوائے صوفیہ دشمنی اور ہماری بے جا مخالفت میں چند علم دشمن حضرات کی جانب سے کم از کم دو تحریریں سوشل میڈیا کی زینت بنیں جن میں ہمیں لعن طعن کا نشان بنانے کے علاوہ نوائے صوفیہ کو جلد از جلد بند کرانے کے لیے لوگوں کے جذبات انگیزت کرنے کی کوشش کی گئی تھی لطف کی بات یہ کہ اس سارے واویلے کے علی الرغم جن وجوہات کا ذکر ہے، ان میں ہمارا کوئی کردار نہیں۔ یہاں ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں کسی لومۃ لائم کا خوف ہے، نہ کسی دنیوی مقصد برآری کی لالچ، نہ ہمارا دل کسی کی دھونس دھمکی سے گھبرانے والا ہے اور نہ کسی کی بے جا آہ وزاری پر پسینے والا! نہ ہمارے کوئی سیاسی عزائم ہیں اور نہ ہی مسلکی قیادت سنبھالنے کا جنون۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں سب کچھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے کر رہے ہیں۔ ہم صرف اور صرف اصلاح چاہتے ہیں۔ ہم قرآن کریم کے اس آیت پر من و عن عمل کرنے کے خواہاں ہیں۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ یعنی نیک اور تقویٰ پر مشتمل

کاموں میں باہم تعاون کریں اور معصیت و نافرمانی کے کاموں میں تعاون نہ کریں بلکہ ہمیں روکیں۔

قارئین نوائے صوفیہ سے ہماری پر زور گزارش ہے کہ ہر نیکی کے کام میں ہمیں آپ کے تعاون اور مدد درکار ہے براہ کرم دست تعاون بڑھائیں۔ ہم انسان ہیں انسان ہونے کے ناطے عمد آ یا سہواً بھول چوک کا شکار ہو جاتے ہیں جب کبھی اور جہاں کہیں ہمیں بھول چوک کا شکار دیکھیں ہمیں فوراً تنبیہ کریں، غلط کاموں میں ہمیں کبھی سپورٹ نہ کریں اور ہمیں صراطِ مستقیم پر گامزن رکھنے کی بھرپور کوشش کریں اس سلسلے میں آپ کا تعاون ہمارے لیے نہایت سودمند اور اہمیت کی حامل ہے۔



محرم الحرام کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ ایام جاہلیت میں یہ مہینہ حرمت والے 4 مہینوں میں سے شہرِ حرم تھا جس میں عرب کے خونخوار جنگجو بد و قبائل بھی سال بھر لوٹ مار اور قتل و غارت کے باجود امن و سکون سے رہتے اور دوسروں کو امن و سکون دیتے تھے لیکن بُرا ہو مسلم موروثی مفاد پرستی پر مبنی سیاست کا جس نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے پیارے نواسے اور ان کے عون و انصار کو انہی حرمت والے مہینوں میں امن و سکون سے رہنے نہیں دیا جب ان نہتے معصوم لوگوں کو گھیر کر کر بلانامی ریگستان میں محصور کر دیا پھر نہ صرف انہیں بھوکے پیاسے شہید کر دیا اور ان کے پس ماندہ بیوی بچوں کو کوفہ و شام کے بازاروں میں بے پردہ پھرا کر دمشق دربارِ یزید پہنچایا۔ اس ستمگر اُمت کو اپنے نبی ﷺ کی اہل بیت کا خیال آیا نہ ہی دین اسلام کی تعلیمات کی جانب ان کا دھیان گیا اور نہ ہی جنگ اور امن کی حالت میں اسلامی احکامات اور تمدنی اصول کا پاس رہا۔

یہ ایک غیر معمولی ناقابلِ فراموش و الخراش واقعہ تھا چنانچہ دوسرے غیر معمولی واقعات کی مانند اس کو بھی اُمت نے یاد رکھا لیکن غیر معمولی عقیدت کے ساتھ۔ اس غیر معمولی عقیدت نے اس میں کئی غیر معمولی رسمیں شامل کیں یہ رسمیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بالخصوص برصغیر میں بڑھتی چلی گئیں۔ جنہوں نے اس واقعہ کے اہداف اور مقاصد کو پس منظر میں دھکیل دیا۔ واقعہ کربلا دراصل حضرت امام حسین علیہ السلام کی دین اسلام کے تحفظ، بقا و استحکام کے لیے غیر معمولی کوشش اور دین اسلام میں غیر اسلامی آمیزش کو باہر نکال پھینکنے کے لیے امام کا غیر معمولی اقدام تھا۔ ہمیں امام علیہ السلام کو اسی حوالے سے خراج عقیدت پیش کرنا چاہیے۔

مفتی سید جمال الدین موسوی رحمۃ اللہ علیہ

شکور علی انور کوروی

شرف السادات موسویہ، فخر العلماء الصوفیہ، زبدۂ علمائے نور بخشیدہ آقائے سید جمال الدین براہ والے، اللہ تعالیٰ ان کی روح کو راحت دوام بخشے، بروز بدھ بتاریخ ۴ جولائی ۲۰۲۰ء بمطابق ۱۲ ذی القعدہ ۱۴۴۱ھ بوقت صبح عرصہ قلیل علیل رہنے کے بعد انتقال فرما گئے **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**۔

یوں تو موت برحق ہے اجل کا حکم جب ہوتا ہے تو نہ کوئی ساعت آگے ہو سکتی ہے نہ پیچھے۔ موت مکتوبہ ساعت میں آہی جاتی ہے یہ تو وہ عمومی موت ہے جو ہر نفس پر موکل ہے لیکن جو خواص کی موت ہے انبیاء اور اولیاء کی موت ہے شہداء اور صالحین کی موت ہے۔ ان کی موت، موت نہیں بلکہ وہ گویا ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

مَوْتُ التَّقِي حَيَاتٌ لَا نِفَادَ لَهَا قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَهُمْ فِي النَّاسِ أَحْيَاءُ

یعنی پرہیزگار کی موت ان کے لیے ایسی زندگی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی بہت سے لوگ مر گئے ہیں لیکن وہ لوگوں زندہ ہیں۔

اسی طرح علمائے موت بھی خواص کی موت سے مرتبہ میں کم نہیں حضور انور ﷺ فرماتے ہیں کہ:

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ ایک عالم ربانی کی موت عالم کی موت واقع ہونے کی مترادف ہے۔

آقائے سید جمال الدین موسوی نہایت باکمال عالم فاضل بزرگ تھے اپنی زندگی کے ہشت پہلو شخصیت کے مالک تھے۔ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ عوام و خواص میں برابر مقبول اور معروف راہنما تھے۔ زندگی پیشوائی کرتے ہوئے بسر کیں۔ انہوں نے جو مقام و مرتبہ حاصل کیا تھا موجودہ معاشرے میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ انتہائی خوددار، جراتمند، محنتی، صاحب فضل عالم باعمل تھے۔ وہ علم و عمل کو زندگی کا وسیلہ بنائے رکھتے تھے۔ آپ کی زندگی نہایت تابناک عادتوں اور خصلتوں پر محیط تھی۔ خاندان سادات کے چشم و چراغ ہوتے ہوئے عظمت و خودداری کے پیکر تھے۔ کسی بھی حالت میں دستِ سوال دراز کرنے سے گریزاں رہے۔ محنت اور

جفاکشی عادتِ ثانیہ تھی۔ معاشرے میں ہر شعبہ ہائے زندگی کے لوگ آپ کی برابر عزت کرتے تھے عزت و احترام کی بلندیوں کو پانے میں اپنے مثالی حسنِ اخلاق اور جرات و دانشمندی کے زاویے پیش خیمہ بنتے رہے۔ علم و عرفان دین و ایمان اور خدمتِ خلق و غیرہ حیات رہی۔ زندگی تابناک مشاغل اور خوبصورت کرداروں سے لبریز تھا۔ جہاں عوام الناس پیشوائی اور راہبری و راہنمائی میں مصروفِ عمل رہے وہیں دینی اور اسلامی امور میں علمائے کرام اور خواصِ عظام کی قیادت کرنے جیسے فضائل کا حامل رہے۔

فنِ خطابت میں اپنی مثال آپ تھے بے لوث دینی خدمت کے پیکر تھے۔ شرف و عظمت کے درخشاں مقام کے مالک دین و دنیا کے زندہ جاوید علمبردار تھے۔ ایسے درخشاں ستارے قوم اور ملت کو کبھی کبھی میسر آتے ہیں۔ معاشرے میں بڑی مشکل سے ایسے دیدہ ور اور دانشمندانہ کردار رکھنے والے حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ خوب کہا گیا ہے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علامہ سید جمال الدین نہایت ہی قابلِ عالم فاضل اور بے داغ حیات کا حامل تھے۔ آپ علمی دنیا کے عظیم محسن تھے تقریر و خطابت کے لشکاروں کے ساتھ تحریر و تصنیف کے باکمال قلم کار بھی تھے۔ آپ کی سادگی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ

دامنِ نچوڑ لیں تو فرشتے وضو کریں۔

آپ کی طبیعت میں سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جرات و غیرت کے متوالے ہمت و جفاکشی اور حمیت و انسانیت کا خزانہ تھے۔ دین و دنیا کے علوم سے بہرہ مند شخصیت کسبِ حلال کو عبادت سمجھتی تھی۔

آپ نے ابتدائی علوم اپنے معزز حاندان کے باکمال ہستیوں سے حاصل کیے تھے پرائمری سے مڈل سطح کی تعلیم خیلو سے پائی۔ عربی و فارسی زبانوں سے بہرہ مند تھے۔ اعلیٰ علوم اسلامی کے حصول کی راہ میں بڑی مشکلیں برداشت کیں علمی اسفار میں سرزمینِ بلتستان سے صوبہ پنجاب کا سفر نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ آپ مدرسہ عربیہ دارالعلوم محمدیہ سرگودھا میں علوم و فنونِ عربیہ سے فراغت کے بعد وطنِ مالوف سرزمینِ عزیز بلتستان واپس ہوئے قوم کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داریاں نبھانے کے علاوہ عوامی خدمات اور دینی فرائض سے

عہدہ برآہوتے رہے۔ امامت و خطابت اور وعظ و ہدایت کے ذریعے رشد و ہدایت کا سرچشمہ جاری رکھا۔ طلباء اور طالبات کی راہنمائی کے لیے دینیات کی کتابیں تالیف فرمائیں مذہبی اعلیٰ ذمہ داریوں کو انجام دینے میں ان کا مثالی کردار تھا۔ عوامی اور انسانی، معاشرتی مسائل و نزاعات کے حل کرنے کے سلسلے میں ہمہ وقت پیش پیش رہتے تھے۔ عوام و خواص کو آپ پر بڑا اعتماد حاصل تھا اس طرح آپ شرعی محاکمہ کے ذریعے عوام الناس کے لیے شرعی فیصلے صادر کرتے رہتے اور ان نزاعات اور مشکلات کا شرعی حل تلاش کرتے ہوئے شرعی فیصلوں کو نافذ کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتے رہے۔ جس کے نتیجے میں آپ کو شرعی بورڈ کا چیئر مین منتخب کیا گیا اس میدان میں بھی آپ نے احسن طریقہ سے فرائض منصبی انجام دیئے۔ اس سلسلے میں مرحوم و مغفور سید عون علی الموسوی، مولانا مفتی عبداللہ اور علامہ ابوالعرفان محمد بشیر علیہم الرحمۃ جیسے علمائے نور بخششہ آپ کے معاون و مددگار تھے۔ آپ کی علمی فضیلتیں اور شخصی وجاہت کا اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ اکثر علمی، مذہبی تنظیموں کے امیر رہے اور عوامی جلسہ و جلوس کی قیادت میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اسی طرح تادم حیات ملت صوفیہ نور بخششہ کی مرکزی تنظیم سپریم کونسل علمائے صوفیہ نور بخششہ کے کرسی صدارت پر فائز رہے آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد یہ علمی و عرفانی شخصیت کی جگہ کبھی بھی پوری نہیں ہوگی۔ اُمت ہمیشہ آپ کی اس خلا کو ضرور محسوس کرتی رہے گی۔

آپ کی زندگی مذہب صوفیہ نور بخششہ کے لیے عموماً اور اہالیانِ براہ کے لیے خصوصاً نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی ہے آپ کی توجہ اور دانشمندانہ اور تدابیر کی بدولت اتفاق و اتحاد اور امن و سکون کی نعمتوں سے مالا مال رہے۔ براہ بالا کی فضاؤں میں آپ کی قدر و منزلت کے نقارے بجتے رہیں گے۔ یہاں کے ہر فرد بشر ان کی عظمت و رفعت کے گن گاتے ہیں۔ اور تابدان تابناک خدمات اور روشن زندگی کی یادیں تازہ رہیں گی۔

آقائے سید جمال الدین عالم نور بخششہ کے آفتاب و ماہتاب کی حیثیت کا مالک تھا۔ ضلع گانچے کے بااثر لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ یہاں کے سماج میں ان کی وقار و عظمت اور سماجی خدمات کے گل و گلزار کھلتے رہے آپ میں تحمل، برداشت، حسن خلقی، ملنساری، انکساری، اور علم پرور شخصیت تھے۔ علمائے تنظیم الندوة الاسلامیة النور بخششہ کے سرخیل کاروان میں شامل رہتے تھے۔ ملک و ملت کے نہایت دیانتدار محافظ اور پاسبان تھے۔ عرصہ دراز سے عوامی اعتماد کی بنیاد پر زکوٰۃ کمیٹی موضع براہ کے سربراہ رہے۔ کسب حلال کے جھمیلوں اور رزق و معیشت

کے فضیلتوں کو پانے کے لیے نیم سرکاری ادارہ پوسٹ آفس علاقائی دفتر میں ڈیوٹی انجام دیتے تھے اس طرح آپ عوام اور سرکار کے قابل اعتماد محب وطن شخصیت تھے۔ جب قوم اور ملک کو آپ کی ضرورت پیش آتی تو نہایت اخلاص اور بے لوث خدمت سرانجام دینے میں کسی قسم کی فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ علاقائی اور دیہی فلاحی کاموں کی گھٹیاں سلجھانے کے امور میں بے مثال کردار ادا کرتے رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حسن اخلاق اور حسن عمل کا مجسمہ و پیکر تھے۔ اپنے اہل خانہ اور خاندان کے ارکان کے لیے نہ صرف رحمت و شفقت کا مرکز تھے بلکہ پورے معاشرے کے لیے آپ کی صلح کل طبیعت سایہ فگن رہی۔

جہاں تک ممکن رہا علم و عمل میں آپ کا کردار قابل تقلید رہا۔ آپ شریعت کے قابل فاضل عالم ہونے کے علاوہ طریقت کے رموز و اسرار سے بھی نابلد نہ تھے خطے میں آپ بڑی روحانی طاقت متصور ہوتے تھے۔ لوگوں کی اخلاقی اور دینی ضرورتوں کو پوری کرنے میں تجربہ کار حکیم تھے۔ روحانی اور جسمانی امراض کے شکار لوگ آپ سے مسیحائی کے لیے رجوع کرتے تھے۔ دم دعا اور تعویذات کی اثر انگیزی زبان زد عام تھی۔ لوگ اپنی جسمانی اور نفسیاتی عوارض کے علاج کے لیے آپ کے دربار میں ہجوم لگائے رکھتے تھے۔ شرعی امور میں فتویٰ نویسی اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو احسن طریقے سے پورا کرتے تھے۔ دین و دنیا کے امتزاج کے عالم میں فکر و نظر کے عظیم بلندیوں پر فائز تھے۔ صدق و امانت کے داعی تھے۔ ذکاوت و فطانت کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہر دلعزیز فرد تھے۔ ہر محفل و مجلس کی رونق آپ کی جلوہ افروزی میں پوشیدہ تھی عوام و خواص میں مقبول ہونے کی علامت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کے بغیر سماجی اور علمی محافل بے رونق اور بے نور ہوتی تھی۔

آج ان کی رحلت سے ہم پوری ملت نور بخشش کے سوگواروں اور خاندان کے پسماندگان کو صبر و شکر کی تلقین کرتے ہیں۔ ہم اراکین انجمن صوفیہ نور بخششہ گلگت اور جملہ عوام کی جانب سے ان تمام سوگواروں کے غم میں برابر کے شریک ہیں ہم جملہ پیروکاران نور بخششہ قابل صدا احترام پسماندگان کے حق میں صبر و شکر کی دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں ہمیشہ یہی استدعا ہے کہ اس تعالیٰ مرحوم عالی مقام کی روح کو جنت علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی قبر اقدس کو اپنی جو رحمت و کرم کے ابرخنک بار سے سیراب فرمائے آمین ثم آمین اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عظیم سانحہ، حسرت آیات، انتقال پر ملال پر صبر جمیل عطا فرمائے اور اپنی موت کا غم کرنے

کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یوں تو نوائے صوفیہ انٹرنیشنل کی وساطت سے اس عظیم ملت کے عظیم سپوت پر مضمون لکھنے کا تقاضا کیا جا رہا تھا محترم محقق نور بخشیدہ مولانا غلام حسن حسنو کو اس رسالے کی ادارت سنبھالتے ہوئے خدمات انجام دیتے رہنے کی سعادت کے موقع پر مبارک باد پیش کرتا ہوں جس کی کمان یہ ہے کہ وہ ہر کس کو تحقیق و تالیف کرنے کی دعوت عام دیتے ہیں۔ جن کے اصرار و احکام کے تحت یہ مضمون زیر قلم لایا جا رہا ہے ناچیز علم و عرفان کے خانوادوں کا ادنیٰ سا خادم اور ایسے علمی شخصیت و علمی سپوتوں کی صحبتوں سے متاثر ضرور ہے

أَحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللَّهُ يَرْزُقُنِي صَلاَحًا

۲۰۲۰ء مطابق ۱۴۴۱ھ ملت نور بخشیدہ میں ایک عظیم امتحان ثابت ہوا حال ہی میں مفتی غلام محمد، قاری محمد یوسف اور حضرت علامہ سید جمال الدین جیسی عظیم علمی و مذہبی شخصیات ہم سے جدا ہوئے اللہ تعالیٰ مرحومین و مغفورین کو اپنے قرب و جوار میں اعلیٰ و ارفع مرتبہ عطا فرمائے اور ان سب کے صغیرہ و کبیرہ لغزشوں کو غفور و کرم سے صرف قلم کرے آمین۔ ان حضرات اور مذہبی معروف شخصیات کی صحبت ناچیز کو حاصل رہی ہے۔ اور آج بندہ ناچیز علمائے ذی وقار کی یادیں تازہ رکھنے کی کوشش کر رہا ہے گویا میں تو یوں تھا کہ

گلی خوشنوی در حمام روزی رسید از دست محبوبی بدستم بدو گفتم کہ مشکلی یا عبیری کہ از بوی دل آویز تو مستم
گفتا من گلی ناچیز بودم و لیکن مدتی با گل نشستم جمال ہمنشین در من اثر کرد و گر نہ من همان خاتم کہ ہستم

تو ان بزرگ بلتستان ہم سب کے دلوں پر راج کر رہے تھے لیکن وہ آج ہم میں نہیں رہے لیکن کی یادیں تازہ رہیں گی۔ پیر جلیل فخر السادات زبدہ علمائے صوفیہ نور بخشیدہ حضرت سید جمال الدین براہ والے کی روح پر ور زندگی اور پر فیض حیات کے آثار کے انمٹ نقوش ہمارے طاق اذہان سے کبھی محو نہیں ہوں گے۔ ہم وارثین علم جمال اور واقفین فکر کمال اور فرزندان سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ سید مختار حسین صاحب، سید محمد عباس صاحب، سید محمد اظہر صاحب اور سید محمد اقدس صاحب سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ آپ اپنے قبلہ و کعبہ بزرگ والد مرحوم و مغفور کے مشن کو جاری رکھیں گے۔ علمی و مذہبی نہیں سماجی کارگزاریوں اور اچھے کارناموں کو خوب سے خوب تر کرنے کی کوشش جاری رکھیں گے جن کاموں کو پدر بزرگوار مکمل نہ کر پائے ہوں، فرزندان مکمل کرنے کی سعی جاری رکھیں گے۔ و ما علینا الا البلاغ المبین۔

تیرا نام باقی ہے جب تک دہر باقی ہے

ابو جمال سید محمد مختار موسوی براہ

میر سید جمال الدین موسوی اپنے دور کے جید اور اعظم علماء میں سے تھے جو پوری نصف صدی تک سلسلہ نور بخشش کے بقا و استحکام اور ترویج و اشاعت میں سرگرم عمل اور اس کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے کے سامنے سینہ سپر رہے۔ اللہ پاک نے آپ کو تمام اسلامی علوم و فنون میں ژرف نگاہی اور جولانی قلم کی بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا جس کی بدولت آپ نے خدمت دین کے میدان میں ہر سطح پر لازوال خدمات سرانجام دیں۔ موصوف کی خدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ کا دائرہ بہت وسیع ہے لیکن سر دست صرف دو موضوعات پر چند گزارشات رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان عالی شان کے مطابق کہ:

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللَّهِ وَعَثْرَتِي أَلَا فَتَمَسَّكُوا بِهِمَا فَاتَّهَمَّا حَبْلَانِ لَا يَنْقُطَعَانِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑ جاتا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسری میری عترت! تم ان دونوں کو مضبوط تھامے رہو کیونکہ یہ ایسی رسی ہے جو قیامت تک نہیں ٹوٹی۔ پیش کی جا رہی ہیں۔

موصوف متعدد حوالوں سے شہرت رکھنے والی شخصیت تھے اوائل زندگی سے ہی حسب استطاعت تعلیمات اسلامی کے فروغ اور نشر و اشاعت کے لیے کوشاں رہے اور اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے انجام دیتے رہے آپ کے والد بزرگوار سید محمد کے حین حیات میں تقریباً 1976ء سے موضع خانقاہ معلیٰ براہ بالا میں تادم حیات میر واعظ رہے۔ 1976ء سے پہلے آپ کے والد مرحوم، دادا جان مرحوم بھی یکے بعد دیگرے میر واعظ کے منصب پر فائز رہے تھے۔ گو کہ خدمت دین کے حوالے سے آپ کے والد مرحوم اور دادا جان مرحوم کا کردار ناقابل فراموش تھا لیکن موصوف مرحوم کی اپنی دینی خدمات بھی سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں کیونکہ آپ کی میر واعظی کے زمانے میں بلتستان بھر میں باقی فرقوں کی سلسلہ نور بخشش میں مداخلت بے جا کا سلسلہ عروج پر تھا اس لیے نئے نئے سوالات تخلیق کر کے دین میں اختلافات پیدا کرنے اور انہیں ہوا دینے کی

شعوری کوششیں شروع کی گئی تھیں۔ اغیار مختلف حیلوں، بہانوں اور سازشوں کے ذریعے اس سلسلہ کو کمزور کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتے تھے۔ ان نامساعد حالات میں اس وقت کے پیر نور بخشید سید عون علی شاہ عون المؤمنین نے آپ کو اپنا نقیب مقرر کیا تھا جس کے تحت سرکاری آفیسران سے ملاقات اور ان کے سامنے سلسلہ نور بخشید پیش کرنا آپ کی ذمہ داری قرار دی گئی تھی چنانچہ آپ کو براہ سے خیلو، سکرو اور گلگت کا بارہا سفر کرنا پڑا۔ ان دنوں روڈ کچی ہونے اور ہر وقت ٹرانسپورٹ کی سہولت دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے یہاں دور دراز کا سفر حقیقی معنوں میں *السَّفَرُ نَصْفُ السَّقَرِ* کے (سفر طے کرنا آدھی جہنم طے کرنا جیسا ہے) کے مترادف تھا۔ سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے صرف ایک مسئلے کی حل کے لیے کئی کئی دن گلگت اور سکرو میں گزارنا پڑتا تھا سفر کی مشکلات اپنی جگہ رات کو آرام کرنے کے لیے بھی کوئی خاص جگہ میسر نہ ہوتی تھی اکثر اوقات مسافر خانوں اور مسجدوں میں رات بسر کرتے اُن کے یہ سفری گزر اوقات مرحوم کے دست مبارک سے لکھی گئی ایک ڈائری میں موجود ہے۔ جن سے ان مشکلات اور دشواریوں کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وسائل کے نہ ہوتے ہوئے مسائل سے ٹکر لینے کے عزم صمیم کی دولت نے انہیں یہ راز بتایا کہ نیک نیتی اور سچائی کے ساتھ عمل خیر کے لیے کمر باندھنا انسان کا اپنا کام ہے اسباب پیدا کرنا خالق کا کام۔

موصوف کے اپنے آبائی گاؤں میں پہلے سے ایک بڑی مسجد موجود تھی لیکن گاؤں کے نیچے نئی آباد شدہ رقبے میں کوئی مسجد نہیں تھی جس کی وجہ سے اس رقبے کے ارد گرد کام کاج کے لیے جانے والوں کو نماز ظہر و عصر کی ادائیگی میں مشکلات کا سامنا تھا چنانچہ آپ نے اپنی ذاتی زمین پر اپنے ذاتی خرچ سے بربل دریا ایک مسافر مسجد تعمیر کی جہاں آج بھی نماز ظہر اور عصر کے وقت ہجوم رہتا ہے اور قیامت تک نماز پڑھنے والوں کا اجر اُن کے لیے توشہ آخرت بننا رہے گا۔

آپ نے علم کی ضیاء پاشی سے لوگوں کے قلوب و اذہان کو منور کرنے کے لیے انوار العلوم کے نام سے ایک دینی درسگاہ کا قیام بھی عمل میں لایا اور مخیر حضرات کی مالی تعاون سے اس کے لیے شاندار عمارت تعمیر کروائی آپ اپنے آخری عمر تک اسی درسگاہ سے تعلیمات محمد ﷺ و آل محمد ﷺ کی روشنی میں قرآن مجید اور سلسلہ نور بخشید کی ترویج کرتے رہے۔ اسی درسگاہ سے جب چھٹی کے بعد گھر لوٹے تو تاخیر ہونے والے طلباء راستے میں مل جاتے۔ آپ ان سے ناراضگی کا اظہار نہیں کرتے تھے بلکہ راستے میں کہیں بیٹھ کر ان کو سبق پڑھایا کرتے،

سبق پڑھاتے دیکھ کر بعض دوسرے طلباء بھی آ پہنچتے آپ ان کو بھی پڑھاتے اور یوں گھر پہنچتے پہنچتے شام ہو جاتی تھی۔

علاقہ براہ بالا میں نکاح خوانی کا معاملہ ہو یا شادی بیاہ کا، پیدائش پہ نام رکھنے کا کام ہو یا فوتگی پہ تدفین و تکفین اور نماز جنازہ کا، آپ ہر موقع پر عوام الناس کے مسائل میں پیش پیش ہوتے امیر ہو یا غریب، سب کی یکساں دادرسی فرماتے۔ علاقے میں خوشی کی محفل ہو یا غم کی مجلس، عید کی محفل میلاد ہو یا ماتم کی مجلس عزاء! آپ تمام محافل و مجالس کی رونق اور روح رواں آپ کی ذات ہوتی تھی ان محفلوں اور مجلسوں میں آپ کی دل کو چھو لینے والی باتیں اور وعظ و نصیحت عوام الناس کو راہ راست پر رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ تھا آپ علم میں یگانہ روزگار تھے تو عمل میں باب العلم کے تابعدار، آپ ایک مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست مقرر اور ذاکر بھی تھا۔ محرم الحرام کے ایام میں آپ کی ذاکری سے یاد شہیدان کر بلا سے لوگوں کے دل مضرب ہو جاتے اور پتھر دل لوگوں کے بھی دل موم ہو کر آنسوؤں سے آنکھیں اشک بار اور پُر نم ہو جاتیں۔ انسانی قدرت کا کرشمہ ہے ان کے بالوں کے سیاہی چاندی میں بدل گئی مگر دھن جوں کی توں رہی۔

آپ نہ صرف عالم دین اور صوفی بزرگ تھے بلکہ قاضی القضاہ بھی تھے۔ آپ کے فیصلے ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کے لیے یکساں قابل قبول تھے۔ چاہے اہل تشیع ہو، یا اہل سنت ہو یا اہل حدیث۔ سب آپ کی قضاوت کو من و عن تسلیم کرتے تھے اور اپنی شرعی مسائل کے حل کے لیے آپ سے رجوع کرتے۔ شرعی معاملات میں آپ کسی قسم کے دباؤ یا لالچ میں کبھی نہیں آتے تھے۔ فریقین کا تعلق چاہے کسی بھی مذہب یا جگہ سے ہو، امیر ہو یا غریب آپ کا فیصلہ ہمیشہ قرآن و حدیث اور مسلمہ فقہ کے عین مطابق ہوتا۔ آپ کو انہی بے باک اور جرأت مند شرعی فیصلوں کی بدولت تمام مکاتب فکر کی نگاہ میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کسی بھی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ باہمی نزاع کی وجہ سے جب عدالت پہنچتے تو عدالت یا صلح کراتی یا چٹھی دے کر ان کو شرعی حل کے لیے آپ کے پاس بھیجا کرتی۔ اس طرح آپ کے بہت سے شرعی فیصلے عدالت کے فائلز میں بھی محفوظ اور ریکارڈز میں موجود ہیں۔ اس طرح آپ کے علمی اثاثے آپ کے جانے کے بعد بھی دنیا میں باقی ہے لہذا آپ کا نام باقی ہے جب تک دہر باقی ہے یوں آپ کی ذات "الْعُلَمَاءُ بِأَقْوَنَ مَا بَقِيَ الدَّهْرُ" یعنی جب تک دنیا باقی رہے علماء باقی رہتے ہیں، کے مصداق بن گئی۔

آپ علمی اعتبار سے فاضل دوراں تھے باوجود اس کے آپ اڈاہ اور حلیم تھے۔ ہر مذہبی شخصیت کی برابر عزت کرتے تھے۔ بعض صاحبان علم کی طرح کسی کو زیر کرنے کے عادی نہیں تھے بلکہ کوئی ہلکی داڑھی والا بھی اگر محراب کے قریب آتے تو ان کو بھی خطبہ دینے کی آفر فرماتے۔ بعض علماء کو علاقے کے دوسرے عالم کو عزت دینا کچھ ناگوار گزرتا ہے لیکن موصوف مذہبی رواداری اور عدم فرقہ واریت پر یقین رکھتے تھے اور ہر عالم کو عزت دینے کے خواہاں تھے۔ علامہ محمد بشیر مرحوم جب حصول علم سے فراغت پا کر تشریف لائے تو آپ نے دل سے قبول کیا اور ان کی عزت و توقیر میں کوئی کسر آنے نہیں دی اور ان کے شانہ سے شانہ ملا کر مذہب کی آبیاری کے لیے کام کیا۔ جب علامہ محمد بشیر مرحوم کے اسلام آباد جانے کا موقع آیا تو دونوں کے آپس میں ایک طویل نشست ہوئی اور آپس کی مشاورت کے بعد علامہ مرحوم اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ علامہ مرحوم کے اسلام آباد جانے کے بعد بھی آپ دونوں کا تعلق اور رابطہ بدستور قائم رہا اور وقتاً فوقتاً اہم دینی معاملات کے سلسلے میں باہم رابطے میں رہتے اور یوں علمائے کرام کے لیے ایک پیغام دیا کہ علماء کرام باہم دست و گریباں ہونے کے بجائے ایک دوسرے کے دست و بازو بنیں اور ایک دوسرے کی عزت و حرمت کا خیال رکھیں تو کوئی بھی شریر انسان علاقے کے معاشرتی اور مذہبی یک رنگی کو دورنگی میں ہرگز تبدیل نہیں کر سکیں گے۔

آپ 3 رمضان المبارک سے علیل تھے اور بالآخر 4 جولائی 2020ء بمطابق 12 ذی القعدہ 1441ھ بروز ہفتہ صبح ٹھیک 6 بجے قضائے الہی سے انتقال کر گئے۔ رحلت سے قبل ارواح مقدسات خصوصاً امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی آمد کے بارے میں بار بار ذکر کرتے رہے۔ چونکہ آپ صوفی باصفاء اور ایک سچے محب علیؑ تھے زندگی بھر جمعہ ہو یا عید کی محفل یا ماتم کی مجلس، اہل بیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب بیان کرتے رہتے۔ ان کی سیرت پر چلنے کی تاکید کرتے رہتے یہی راز تھا کہ جان کنی کے وقت ان ہستیوں کی ذوات مقدسات کے استقبالیے میں خالق حقیقی سے جا ملے اور بہت سے چاہنے والوں کی آہوں اور سسکیوں میں، اسی روز ٹھیک 2 بجے سپرد خاک ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔ اللہ پاک مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔

بجاء نبیک الرحمة محمد والہ الطیبین۔ (آمین)



مفتی سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات

محسن علی ساقی سرموں

کارگاہ حیات (کائنات) میں انسانی وجود کو جلا ملنے کے بعد اس کو احسن تقویم سے تعبیر کیا ہے اور صاحبان کردار اس تخلیق کے ابتدائی آفرینش پر نظر رکھتے ہوئے اپنے مالک اور خالق کو ہمہ وقت خوش و راضی رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں اور یہ کہ وہ جمال الہی کے پر توپر کٹ مرنے کے لئے جیتے ہیں۔ اس لئے بعض عرفاء نے فرمایا! کہ جمال الہی سے ایک لحظے کا اعراض ایک ہزار سال کا نقصان دیتا ہے "چنانچہ ان کی حیات ہی نہیں بلکہ ان کی ممات بھی امر ہو جاتی ہے۔ حضرت مفتی سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ایسے ہی بندگان خدا میں ہوتا ہے جنہوں نے خدا کی رضا و خوشنودی اور مخلوق کی خدمت و شفقت کو اپنی زندگی کا شعار بنائے رکھا۔

اگر ہم براہ راست ان کی حیات پر نظر ڈال لیں تو وہ نہ صرف ایک کثیر الجہت شخصیت کا مالک نظر آتے ہیں بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ رن میں ضیغ، کھیت میں دھقان اور منبر پر حکم اللہ جانے کتنے رخ ہیں ایک ہی تصویر کے؟ ابتدائی صحبت میں دستیاب معلومات کے مطابق آپ حضرت ابوالعرفان علامہ محمد بشیر براہ والے نور اللہ مرقدہ کی مصاحبت میں رہے۔ ان کی اچھی صحبت کا اثر تھا کہ عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف و معقول اور مفتی و قاضی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

ان کی زندگی کئی ادوار پر محیط ہے مگر ان کے آخری دور کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اس ضمن میں ان کے احسن اعتقاد کے بارے میں بھی جاننے کا موقع ملا۔ آپ نے صحابہ کرام اور ازواج النبی سے متعلق چند علماء کے استفسار پر فرمایا کہ خلفاء اسلام کے ناطے میں دوسری رائے نہیں۔ جو جمہور مسلمانوں کا ہے وہی فکر نور بخش کی عکاس ہے۔ اس طرح ازواج مطہرات یعنی رسول اللہ کی بیویوں کے بارے میں بھی ان کی زوجیت قرآن حکیم کی آیت مبارکہ و ازواجہ امتہم کے حکم کے عین مطابق پایا۔ قضاوت و افتاء میں دقیق سے دقیق مسائل پر آپ کو گرفت حاصل تھی اور جانبین سے بیانات لینے اور گواہان پر جرح کرنے اور بحث و تمحیص کے ذریعے معاملے کی نوعیت جاننے کے ہنر سے آپ بخوبی واقف تھے۔ بسا اوقات خود موقع ملاحظہ فرما کر عدل و انصاف کی فراہمی کے لئے

بھرپور کوشش فرماتے تھے اور حسب عادت مصالحت و مفاہمت کا پیغام دے کر ان میں اصلاح کی کوشش بھی فرمایا کرتے تھے مگر جبراً مصالحانہ کوشش کبھی نہیں فرماتے اس کی بجائے شرعی فیصلہ صادر فرمانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے تھے۔ ان کے شرعی فیصلہ جات سے پورا ضلع مستفید ہوتا تھا اور بین المذاہبات تنازعات سے بین الافراد تنازعات کا فیصلہ شرعی صادر فرماتے تھے۔ ان کے مدلل و مستحکم فیصلہ پر نظر ثانی کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔

آپ انتہائی خاموش طبیعت کے مالک ہونے کے ناطے آپ کی قوت سماعت جدید سپر کمپیوٹر سے بھی زیادہ تیز تھی۔ ایک بار کی سماعت کے بعد استصواب کی مزید ضرورت نہیں رہتی تھی۔ ان کی قضاوت و افتاء کی مہارت سے علمائے جدید فائدہ اٹھانے کا منصوبہ بنا ہی چکے تھے کہ آپ کی عمر نے فرصت نہیں دی اور داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

سپریم کونسل علمائے صوفیہ نور بخشش کا وجود بھی آپ کے اس عظیم فتوے کے صدور کے نتیجے میں آیا۔ جب مدرسہ شاہ ہمدان صوفیہ نور بخشش سکر دو میں حضرت مفتی محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی علی محمد ہادی دامت برکاتہم العالیہ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں تاریخی تحفظ قرآن پاک کا فتویٰ صادر فرمایا۔ اس مدلل فتویٰ کی نہ صرف علمائے کرام نے توثیق کی بلکہ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان نے اسے اپنے فیصلے کا حصہ بنادیا۔

ماضی میں مذہبی امور میں آپ کی خدمات جلیلہ قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔ جب تنازعہ چٹچن پیدا ہوا تو اس دوران حضرت سید عون علی رحمۃ اللہ علیہ کی نیابت فرماتے رہے اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے سامنے سینہ سپر ہو کر مذہبی مراکز و خانقاہوں کا دفاع کیا۔ اس ضمن میں رات کی تاریکیوں، راجاؤں کی دھمکیوں اور حکومتی اہلکاروں کی ریشہ دوانیوں کی آپ نے کبھی پرواہ نہیں کی بلکہ خدمت دین کے لئے ہمیشہ اپنے آپ کو وقف کیے رکھا۔

نور بخشی عوام و خواص کے اندر تصنیف و تالیف زیادہ پذیرائی کا میدان شروع سے ہی نہیں رہا۔ تاہم آپ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے علامہ محمد بشیر سے مل کر نور بخشی طلبہ کے لئے دینیات جماعت سوئم سے پنجم تک

تالیف فرمائی اور ان دنوں شمالی علاقہ جات (موجودہ گلگت بلتستان) کو نسل میں منظوری کے لئے پیش کرتے رہے لیکن باوجود اس کے منظوری نہیں مل سکی۔ تاہم جب بلتستان میں پبلک سکول کھل گئے جن میں بکثرت نور بخشی طلباء و طالبات زیر تعلیم تھے تو آپؒ اور حضرت علامہ صاحب مرحوم کی تالیف کردہ دینیات کو رائج کیا گیا۔ اس ضمن میں راقم کو عملی کام کرنے کا موقع ملا اور ہنوز متعدد پرائیویٹ پبلک سکولوں میں یہ دینیات نصابی درسی کتاب کی حیثیت سے رائج ہے۔

سپریم کونسل علمائے صوفیہ نور بخشیہ کی سرپرستی کے لئے آپؒ نے آخری عمر میں شرف قبولیت بخشی۔ جب حضرت علامہ محمد بشیر اور مفتی محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہما اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے تو آپؒ اس اعلیٰ کونسل کی صدارت اور بعد ازاں سرپرست اعلیٰ کے منصب کے لئے سب سے موزون قرار دیا گیا۔ تین سال تک بطور صدر سپریم علماء کونسل کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اسی اثناء میں آپؒ نے کمپیوٹرائزڈ فقہ احوط کی اشاعت کی اجازت عطا فرمائی اور بعد ازاں اس پر اٹھنے والے علمی مباحث کو بھی منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے آپؒ کی تدبیر کام آئی اور نو (۹) رکنی علماء صوفیہ نور بخشیہ کے فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے دستخط فرمائے۔ لیکن افسوس آپؒ نے اس ضمن میں جو منصفانہ فیصلہ صادر فرما کر اٹھنے والے فتنے کے سدباب کی کوشش فرمائی تھی علم دشمنوں نے اس پر پانی پھیر دیا۔ سپریم کونسل علماء صوفیہ نور بخشیہ کی سرپرست اعلیٰ کے لئے آپؒ کا انتخاب ہو کر ابھی 8/10 دن ہی گزرے تھے کہ آپؒ کی سرپرستی سے کونسل محروم ہو گئی اور آپؒ ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔

سید القوم خادِ محم کے مصداق آپؒ کسبِ حلال اور خدمتِ خلق کے جذبہ خیر سے سرشار ہو کر اہالیانِ موضع براہ کے رسل و رسائل اور ڈاک خانہ کے جملہ امور رضا کارانہ طور پر ناقابلِ بیان معمولی اجرت کے عوض سرانجام دیتے رہے۔ راقم نے ان کی محنت شاقہ اور عرق ریزی کو ایک بار دیکھا اور استفسار کی جرأت کی تو فرمایا کہ یہ خدمتِ خلق کے لئے انجام دیتا ہوں چونکہ براہ میں مستقل ڈاک خانہ نہیں، لوگوں کو بجلی و ٹیلیفون کے بل اور رقوم کی ترسیل و تحصیل کے لئے دور خپلو جانا پڑتا ہے۔ لہذا ان کی آسانی کی خاطر یہ فریضہ انجام دیتا ہوں۔ ایک ایک فارم کا پر کرنا، قلم اٹھانا، اندراج کرنا اور پیسوں سے کھیلنا معمولی کام تو نہیں تھا مگر ایک ایک پیسے کا حساب رکھتے ہوئے اہالیانِ براہ کی خدمت میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی۔ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ

احب القلوب الى الله أهلها في دين الله واصفاها عن الذنوب وارقتها على الاخوان۔

(تاویلات نجمیہ فی تفسیر اشاری الصوفی)

اللہ کے ہاں پسندیدہ دل وہ ہے جو دین کے بارے میں سخت، گناہوں سے پاک و صاف اور بھائیوں پر نرم ہوں۔

یعنی دین کے امور میں سخت دل، بھائیوں میں نرم خواہ اور رفیق القلب والے انسان کو اللہ خوب پسند فرماتا ہے۔ آپ کے اوصاف میں یہ صفت درجہ کمال پائی جاتی تھی۔ بدعات کا خاتمہ، سنتوں کے احیاء اور شرعی احکام کی تنفیذ میں کسی قسم کی رو رعایت نہیں کرتے تھے۔ ان کے تدارک کے لئے مجالس و محافل میں بھی حکمت عملی کے ساتھ سخت لہجے میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اہالیانِ براہ میں صاحبانِ دانش و بینش کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں براہ میں مختلف قسم کے بدعات کو بڑا فروغ ملا ہوا تھا مگر آپ کی صفات اعلیٰ ظرفی اور معاملہ فہمی کی بدولت آہستہ آہستہ ان تمام بدعات کا خاتمہ ہوا۔ براہ میں دینداری ان کی تبلیغ و مساعی جمیلہ کی مرہونِ منت ہے۔ اہالیانِ براہ میں تہجد گزاری، خلوت گزینی، عزلت نشینی، صوفی منش اوصاف ان کی ہدایت اور بردباری کے نتائج ہیں۔

ہو حلقہ یاراں میں براشیم کی طرح نرم رزم حق و باطل ہوں تو فولاد ہے مؤمن (اقبال)

ان کی صحبت سے زیادہ مستفید نہ ہونے کا افسوس راقم کے لئے تادم تحریر دامن گیر ہے۔ علمی، فقہی، تعلیمی، تحقیقی اور تنظیمی اوصاف کے حامل یہ مرد قلندر مورخہ چار جولائی ۲۰۲۰ء بوقت آٹھ بجے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مت سہل انہیں جانو پھر تا ہے فلک برسوں پھر خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں خدا رحمت کند این پاک طینت را۔



مفتی سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات

محمد محمدی منہاجین

تخلیقِ انسانی میں رب ذوالجلال نے بے شمار تنوع و دیعت رکھی ہوئی ہے۔ ہر ذی روح کی بالعموم اور ہر انسان کی بالخصوص متمیزات اور متفردات ہیں۔ یہی متمیزات و متفردات انسان کے ذاتی تشخص اور انفرادی تعارف کا ذریعہ اور قدرت الہی کا مظہر بنتے ہیں۔ انسان کی مقصد تخلیق بھی معرفت خداوندی ہے۔ اس مقصد کا حصول تب ممکن ہو گا جب انسان پہلے خالق لم یزل کی مرضیات و غیر مرضیات سے آگاہ اور اس کے اوامر و منہیات سے واقف ہوں پھر اس خالق کی مرضیات کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے اور اس کے اوامر پر عمل کرنے کی حتی الامکان کوشش کرے اور رب لم یزل کے غیر مرضیات اور منہیات سے مکمل اجتناب برتے۔ یعنی اپنے آپ کو قانون الہی کے مکمل سپرد و حوالہ کرے اور قضائے خداوندی کو بلاچوں چراتسلیم کرے۔ ان امور کو مد نظر رکھ کر زندگی گزارنے والا انسان دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہو گا۔ ان امور میں کوتاہی اور تفصیر کا مظاہرہ کرنے والے خائب و خاسر ہو کر رہ جائیں گے۔ مولانا سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی ان شخصیات میں سے ہیں جو میرے علم اور مشاہدے کے مطابق مرحوم و مغفور ہمہ جہت شخصیت کے مالک انسان تھے۔ مرحوم نے سب سے پہلے مرضیات الہی اور اوامر خداوندی سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے زندگی کے ابتدائی ایام حصول علم میں گزار دیے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد خدمت دین متین کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اشاعت و احیائے دین کے لیے جہاں مناظرے کی ضرورت پڑتی وہاں علامہ مرحوم و مغفور سے مل کر مناظرہ کے لیے تیار رہتے۔ مرحوم و مغفور کے اپنے قول کے مطابق علامہ مرحوم کے قلم اور تحریر کے لیے موصوف کا زبان اور تقریر معاون بن جاتا۔ مرحوم کی زندگی کے بہت سارے گوشے بے نظیر و بے مثال تھے۔ آپ ایک نڈر مبلغ تھے جہاں شرعی امور میں کوتاہی ہوتے ہوئے دیکھتے، بلا کسی خوف لومۃ لائم ان کی اصلاح کی طرف مذکورہ بندے کو متوجہ فرمایا کرتے تھے۔ احیائے سنت اور رفع بدعت میں کبھی بھی کوتاہی کا مظاہرہ نہ فرماتے۔ البتہ قرآن کریم کے اصول تبلیغ تدریجی صورت کو مد نظر رکھتے۔

آپ کی زندگی کا نمایاں اور انفرادی پہلو یہ تھا کہ الحکمة عشرۃ اجزاء تسعہا فی الصبت۔ یعنی حکمت کے دس اجزاء ہیں ان میں سے نواجزا خاموشی میں ہیں، کا مکمل مرقع تھا۔ آپ ایک خاموش طبع اور بات کو خوب تول کر بولنے والا انسان تھا۔ آپ کی قناعت پسندی قابل رشک تھی اور آپ خدمت خلق کے جذبے سے سرشار تھے۔ آپ اپنے ہاتھ سے کمانا پسند فرماتے تھے کبھی آپ نے دیگر سادات اور میر واعظ حضرات کی طرح نذر کی مد میں چندہ نہیں لیا۔ ذاتی محنت سے جو کچھ ملتا اسی پر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ چنانچہ خدمت خلق کے جذبے اور بندگان الہی کو آسانی بہم پہنچانے کی غرض سے 35 سال کا طویل عرصہ آپ براہ میں ڈاک کے شعبے میں رضا کارانہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ یہاں سے آپ کو قوت لایموت جتنا مشاہرہ ملتا تھا آپ اسی پر گزر بسر کر لیتے تھے۔

ہم نور بخشی من حیث القوم ابھی تک نابالغ ہیں اس کا واضح ثبوت مولانا سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی پاک و صاف اور سادہ زندگی ہے۔ اگر ہم بالغ اور ذمہ دار قوم ہوتی تو ہم ایسے نابغہ روزگار شخصیت کی سرپرستی میں آگے بڑھتی، علمی مراکز قائم کر کے ان سے خوب استفادہ کرتی یوں ہزاروں شاگرد اور علماء پیدا کر سکتے تھے لیکن ہم نے ان کو محض دور کعت کا امام اور ڈاکخانے کا بابو بنا کر رکھا اور عظیم صلاحیتوں کے مالک کو منوں مٹی تلے دفن کر دیا اور پھر افسوس و ندامت کے آنسو بہانے بیٹھ گئی۔ آپ کا سپریم کونسل علمائے صوفیہ نور بخشیہ کے صدارت اور سرپرستی فرمانا قابل فراموش خدمات میں سے ایک ہے۔ آپ انتہائی گھمبیر مسائل بھی دو تین جملوں میں حل فرماتے تھے۔ سپریم کونسل کے ممبر کی حیثیت سے شاہ صاحب مرحوم کو اجلاس میں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور موصوف کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ کئی اجلاس کی صدارت موصوف نے فرمائی جن میں آپ بہت کم لب کشائی فرماتے لیکن اجلاس کا نتیجہ صرف دو تین جملوں میں ادا فرماتے وہ کلمات حشو و زوائد سے مبرا اور خیر الکلام مائل و دل (یعنی بہترین کلام وہ ہے جو مختصر مگر مدلل ہو، کا مرقع ہوتا تھا۔ آپ اپنے مدرسہ فیروز یاہم عمر علمائے کرام کی آخری کڑی تھے۔ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے برسوں اس کا پر ہونا مشکل ہے۔ ہم نور بخشیوں نے اس بات کو سوچنا ہے کہ کیا ہم اپنے اسلاف کے کردار و گفتار، سیرت و احوال پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو کامیابی کے شاہراہ پر گامزن ہو جائیں یا ہم ماضی ماضی یعنی جو گزر گیا گزر گیا اب نہیں آئے گا، پر عمل کرتے ہوئے اپنے بزرگوں کے آثار و سیرت کو بھلا دیں اور راہ ضلالت کے گڑھے میں جا گریں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم پہلا طریقہ اپنائیں گے اور دونوں جہانوں میں سرخرو ہو جائیں گے۔

محکمہ شرعیہ صوفیہ نور بخششہ

عسلام حسن حسنو

ڈوگروں سے گلگت بلتستان آزاد کرنے کے فوراً بعد یہاں قائم ہونے والی سول انتظامیہ نے ان علاقوں کا الحاق پاکستان کے ساتھ کر دیا تھا کیونکہ یہ علاقے صوبہ سرحد موجودہ خیبر پختون خوا سے ملا ہوا تھا اس لیے وفاقی حکومت نے گورنر سرحد کے ماتحت کر دیا اس کے ساتھ ہی یہاں گورنر سرحد کے ماتحت قبائلی علاقوں میں رائج بدنام زمانہ قانون فرینٹیر کرانمر ریگولیشن (FCR) نافذ کر دیا اور گورنر سرحد کی جانب سے انتظامی سربراہ پولیٹیکل ایجنٹ / اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ یہاں آتے رہے جو یہاں کے سیاہ و سفید کے مالک سمجھے جاتے تھے اس کے منہ سے نکلا ہر لفظ قانون ہوا کرتا تھا۔ مطلق العنان شاہی دور اور جاگیر داری دور سے بھی زیادہ یہ شخص طاقتور سمجھا جاتا تھا پھر کچھ عرصہ بعد گورنر سرحد کی درخواست پر یہاں کا انتظام وفاقی حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے کر وزارت امور کشمیر کے سپرد کر دیا اور وزارت امور کشمیر میں 15 یا 16 گریڈ کا افسر اسی وزارت کے سیکشن آفیسر کی جانب سے پولیٹیکل ایجنٹ / اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ کی حیثیت سے وہ یہاں آتا تو وہ انتظامی، تعلیمی، عدالتی اور دیگر تمام محکموں کا سربراہ ہوتا اور ہائی کورٹ کے جج اور ریونیو کمشنر کے اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔

ہم ابھی بچے تھے اس وقت سنا کرتے تھے کہ ”فلان جگہ پر فلان وفلان کے درمیان شریعت کی گئی ہے“ اس وقت شریعت کرنا یہاں عام بات تھی پھر آہستہ آہستہ یہاں عدالتیں قائم ہوئیں پولیٹیکل ایجنٹ نامی پوسٹ پر مختلف افسران آتے جاتے رہے۔

بلتستان میں قانونی اصلاحات

1972 میں میں ذوالفقار علی بھٹو حکومت نے یہاں سے FCR قانون اور جاگیر داری نظام اٹھالیا اور قانونی اصلاحات کا آغاز کر دیا۔ اس کے تحت سب ڈویژنل مجسٹریٹ (ایس ڈی ایم)، تحصیلدار اور نائب تحصیلدار کو مجسٹریٹ درجہ اول، درجہ دوم اور درجہ سوم کے اختیارات دیئے گئے۔ 1975ء میں انتظامیہ کو عدلیہ سے الگ کرتے ہوئے سول عدالتیں قائم کیں اور سول ججوں کی تقرری عمل میں لائی گئی۔ ان دنوں یہاں مقدمات دو قسم کے ہوتے تھے (۱) فوجداری مقدمات اور (۲) دیوانی مقدمات۔ اول الذکر مقدمات یہاں اکا دو کا دائرہ ہوتا تھا اکثر

فوجداری مقدمات پولیس اور مجسٹریٹ نمٹاتے جبکہ دیوانی مقدمات کا نمٹانا عدالتوں کا کام ہوتا تھا۔
عدالتوں میں نور بخشی درخواست گزار

۱۹۷۵ء کے بعد بلتستان بھر میں دیوانی مقدمات کی بھرمار ہونے لگی چنانچہ نور بخشی لوگ جو سیدھے سادھے اور قانون سے مکمل ناواقف ہوتے تھے، معمولی باتوں کے لیے عدالتوں کا رخ کرنے لگے جہاں انہیں وکیلوں کو فیس دینا پڑتا اور ساتھ ہی بار بار پیشیاں بھی بھگتنا پڑتا تھا۔ وکلاء کے فیس کی رقم سے زیادہ بار بار کی عدالتوں میں پیشی تکلیف دہ ہوتی کیونکہ ان دنوں آمد و رفت پیدل ہوتی۔ عدالتوں میں پیشیاں بھگتنے میں کم از کم تین دنوں کا وقت ضائع ہوتا تھا اس طرح انصاف ملنے میں تاخیر ہوتی جو بذات خود ظلم کا مترادف تھا عوام کو اس سے نجات دلانا وقت کا تقاضا بن چکا تھا۔

انفرادی نور بخشی شرعی عدالتیں

ان دنوں پیر نور بخشیہ سید عون علی خیلو میں، سید علی شاہ پھڑاوا میں، مولوی عبداللہ خیلو میں، علامہ محمد بشیر اور سید جمال الدین براہ میں اور مولوی محمد علی ڈوغنی میں موجود تھے یہ علما جید عالم فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں بے حد مقبول اور ہر دلعزیز بھی تھے۔ سنجیدہ لوگ اپنے مقدمات انہی علما کے محضر میں پیش کرتے اور شرعی فیصلے لیتے تھے لیکن جھگڑالو اور غیر سنجیدہ لوگ عدالتوں میں جاتے پیشی پہ پیشی بھگتتے، مالی اور وقت کا نقصان اٹھاتے اور عدل و انصاف میں تاخیر سے تنگ آکر عدالتوں سے درخواست کرتے کہ وہ شرعی فیصلہ چاہتے ہیں لہذا کیس شرعی عدالت بھیجا جائے چنانچہ عدالت کی جانب سے سید عون علی پیر نور بخشیہ کو بھیجا جاتا کبھی کبھی فوجداری مقدمات بھی عدالتوں سے آپ کو بھیجے جاتے۔ شاہ صاحب درخواست گزاروں کے علاقے کو مد نظر رکھ کر متعلقہ عالم دین کو بھیج دیتا وہ عالم دین فریقین کا بیان لے کر فیصلہ دیتے اور ایک کاپی سید صاحب کو اور دوسری کاپی عدالت کو بھیجتے یوں معاملہ ختم ہو جاتا تھا۔

محکمہ شرعیہ صوفیہ نور بخشیہ کا قیام

یہ سب انفرادی طور پر شرعی فیصلے کرتے تھے اس دوران انہوں نے محسوس کیا کہ اگرچہ اس عمل سے نور بخشیوں کو بڑا ریلیف مل جاتا ہے اور عدل و انصاف کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں جس کی مدد سے معاشرے میں امن و امان قائم کرنے میں خوب مدد مل جاتی ہے لیکن انفرادی کی بجائے اگر اجتماعی کام ہو تو کیا ہی

اچھا ہو۔ اسی سوچ کے تحت علاقے کے لیڈروں اپوعلید ادخان گونمہ یار، عبدالرحمن المعروف بہ اپو بدیع الزمان، راجہ فتح علی خان اور پیر سید عون علی الموسوی اور ان کے رفقاء کے کارنے، جو اکثر پڑھے لکھے ملازم پیشہ نوجوان جیسے ماسٹر حسن گولپہ، ماسٹر یوسف، ماسٹر سلیم، ماسٹر ابراہیم، ماسٹر شکور، صوبیدار موسی خان و صوبیدار محمد علی اور حوالدار رحمن جیسے لوگ تھے، باہمی مشاورت سے ”محکمہ شرعیہ صوفیہ نور بخشہ“ کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد رکھی۔

محکمہ شرعیہ کا طریقہ کار

پورے علاقے میں مولانا سید عون علی الموسوی قاضی القضاۃ اور سید علی شاہ پھڑاوا، مولوی محمد علی ڈوغنی، مفتی عبداللہ خیلو، مولانا سید جمال الدین براہ اور علامہ محمد بشیر کو قاضی کی حیثیت سے بینل بنا کر لوگوں کو مفت اور فوری انصاف کا انتظام کیا گیا۔ عدالت، عوام اور محکمہ شرعیہ کے درمیان رابطہ برقرار رکھنے اور فریقین کو شرعی محضر میں حاضری کے لیے تاریخ مقرر کرنے، فریقین کی حاضری یقینی بنانے اور محضر کی جگہ کا تعین کرنے کے لیے ایک آفس سکریٹری کی ضرورت پیش آئی جسے محلہ مکسرپی خیلو سے تعلق رکھنے والے صوفی حسن مرحوم نے اپنی خدمات مفت پیش کیں جبکہ مستقل دفتر کے لیے پروفیسر سید مرتضی حسین کی والدہ ماجدہ نے میرپی ٹھر میں ایک کمرہ دیا چنانچہ علماء وہیں حاضر ہوئے ہم بھی وہیں تھے کمرے کی صفائی کے بعد علماء چٹائی پر بیٹھ کر کیس سننے لگے پھر ابراہیم نامی ایک دکاندار ساکن غریس نے اس میں بچھانے کے لیے ایک دری مفت دی یوں محکمہ کا کام بخیر و خوبی چل پڑا۔

خیلو میں زیر التوا مقدمات کا خاتمہ

جلد، مفت اور جامع فیصلوں کے بعد محکمہ شرعیہ پر لوگوں اور عدالتوں کا اعتماد بڑھ گیا ایک طرف لوگ اپنے تنازعات عدالتوں کی بجائے محکمہ شرعیہ میں پیش کرنے لگے دوسری جانب عدالتوں کی جانب سے درخواست گزاروں کو از خود محکمہ شرعیہ جانے سے متعلق پوچھا جانے لگا۔ یوں ایک ہی پیشی پر مفت عدل و انصاف ہونے لگا جہاں وکیلوں کی ضرورت نہ ٹاؤٹوں کی حاجت اور نہ عدالتی فیس دینے کی پابندی اور نہ ہی بار بار پیشی پر جانے اور وقت اور سرمائے کی بربادی کا جھٹکا۔ چنانچہ لوگوں نے محکمہ شرعیہ کا در انصاف کھٹکھٹانا تیز سے تیز تر کر دیا ادھر علماء ایک ایک دن میں ایک سے زائد کیس سن کر شرعی فیصلے دینے لگے چنانچہ ایک وقت ایسا آیا کہ

پورے علاقے میں تمام دیوانی مقدمات کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ انہی دنوں میں نے خود عدالتوں میں جا کر پتہ کیا تو یہاں کی سرکاری عدالتوں میں عوام الناس کے مابین کوئی دیوانی کیس زیر التوا نہیں تھا اور سرکاری عدالتوں میں صرف ایسے مقدمات چل رہے تھے جو عوام الناس بنام حکومت یا حکومت بنام عوام الناس ہوں۔ یہ سلسلہ علامہ محمد بشیر کی مستقل اسلام آباد منتقلی تک جاری رہا۔ ان کی اسلام آباد منتقلی کے بعد مولوی محمد علی، سید علی شاہ اور سید عون علی اور سکریٹری محکمہ شرعیہ صوفی حسن یکے بعد دیگرے انتقال کر گئے ان نامساعد حالات میں سید جمال الدین اور مفتی عبداللہ دونوں محکمہ شرعیہ کو چلاتے رہے پھر مفتی صاحب بھی داغ مفارقت دے گئے تو شاہ صاحب اکیلے رہ گئے۔

چند سالوں میں عدالتوں اور عوام الناس کو محکمہ شرعیہ پر جو اعتماد قائم ہوا تھا اور نور بخشی معاشرے میں جو امیج اور ساکھ قائم ہو چکا تھا اس کے نتیجے میں سب سید صاحب سے رجوع کرتے کیونکہ صوفی حسن کی رحلت کے بعد دفتر کا کام ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا جبکہ درخواست گزاروں کا تانتا بندھا ہوا تھا چنانچہ آپ نے دفتر آنا جانا ترک کر دیا۔ اس لیے فریقین آپ کے در اقدس پر حاضری دیتے آپ خود اپنے پرانے گھر کے ایک کمرے میں سماعت کرتے فریقین اور ان کے گواہوں کے بیانات لیتے انہیں کھلاتے پلاتے وہیں فیصلہ لکھ کر اپنے خرچ سے فوٹو کاپی نکلواتے اور فریقین کو عنایت کر کے رخصت فرماتے تھے۔ یہ سلسلہ شدید بیماری تک جاری رہا۔

شرعی فیصلہ لکھنے کی ذمہ داری

جن دنوں محکمہ شرعیہ عروج پر تھا اس کو عروج تک پہنچانے میں مرکزی کردار سید جمال الدین اور علامہ محمد بشیر دونوں نے ادا کیا۔ علامہ سید علی شاہ اردو میں نہیں لکھتے تھے بلکہ فارسی میں بھی بہت مختصر لکھتے تھے۔ مولوی محمد علی دور ہونے کی بنا پر بہت کم شرعی محضر میں آتے ان دنوں بلغار پل ابھی نہیں بنی تھی اس لیے وہ وہیں شرعی محضر لگاتے تھے۔ مولانا مفتی عبداللہ کی اردو میں چارپانچ لائنوں میں بھی ایک جملہ مکمل نہیں ہوتا تھا چنانچہ طریقہ کاریوں ترتیب دیا گیا تھا کہ کوئی کیس آئے تو صوفی حسن سید عون علی شاہ کے مشورے سے جگہ کا تعین کر کے فریقین کو تاریخ دیتے مقررہ تاریخ کو شاہ صاحب، مفتی صاحب، سید جمال الدین اور علامہ محمد بشیر شرعی محضر سجاتے۔ سب سے پہلے فریقین سے کیس سے متعلق پوچھتے اور ان سے شرعی فیصلہ من و عن ماننے کا تحریری حلف لیتے۔ پھر فریقین اور ان کے گواہوں سے بیانات لیتے اگر موقع ملاحظہ کرنا ضروری ہو تو یہ بھی کر

لیتے۔ فریقین اور ان کے گواہوں سے بیان لیتے ہوئے ان پر جرح بھی کیے جاتے۔ آخری مرحلے پر سید جمال الدین اور علامہ محمد بشیر میں سے کسی ایک کو فیصلہ لکھنے کی ذمہ داری دیتے اس ضمن میں زیادہ تر یہ ذمہ داری سید صاحب ہی نبھاتے۔ علامہ محمد بشیر کی مستقل اسلام آباد منتقلی کے بعد شرعی فیصلہ نامہ صرف آپ تحریر فرماتے تھے۔

شرعی فیصلہ لکھنے کا انداز

فیصلہ لکھنے کا ان کا اپنا انداز تھا وہ یہ کہ سب سے پہلے بسم اللہ مکمل لکھتے پھر وکفی باللہ شہید لکھتے۔ کاغذ کے بائیں جانب مدعی / فریق اول بمع ولدیت و مختصر پتہ اور دائیں جانب مدعا علیہ / فریق ثانی بمع ولدیت و مختصر پتہ درج کرتے۔ یہ دو سے تین سطروں میں لکھتے۔ ان دونوں کے درمیان محل نزاع اور دونوں فریقوں کے موقف کا خلاصہ لکھتے۔ پھر ایک دو لائنیں چھوڑ کر پہلے مدعی کے بیان پھر مدعا علیہ کے بیان اور گواہوں کے بیان کا خلاصہ لکھتے پھر ان بیانات کو قرآن و حدیث، اجماع، فقہ، عقل اور نظائر کی کسوٹی پر تولتے آخر میں شرعی فیصلہ لکھتے۔ سب سے پہلے قاضی قضات کی حیثیت سے سید عون علی شاہ پھر تمام حاضر علماء دستخط ثبت کرتے۔ پھر فریقین کو سناتے اور انہیں مصدقہ کاپیاں فراہم کرتے اور ایک کاپی آفس کاپی کے طور پر ریکارڈ رکھ لیتے تھے۔

موفق شرعی فیصلہ کا اثر

مختلف عناصر، علاقائی سرکردگان اور سرکاری افسران ان علماء پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے لیکن یہ من کے سچے اور دھن کے پکے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے قرآن پاک، احادیث نبوی، اجماع امت اور عقل سے دلائل لاتے۔ دلالت النص، اشارت النص اور اقتضاء النص سے مزین شرعی فیصلہ لکھتے شرعی مآخذ میں استنباط کرتے اور مدلل و مبرہن ایسا شرعی فیصلہ نامہ تیار کرتے تھے جس پر کسی کو تنقید کا مجال ہوتا اور نہ ہی کسی موشگافی کی گنجائش رہتی۔ یہی صاف و شفاف اور ہر غل و غش سے پاک و منزہ شرعی فیصلے تھے جو ہر فرقے اور ہر علاقے کے لوگوں کو کشاں کشاں آپ کی شرعی محضر میں لاتے اور ہر فریق خواہ مقدمہ جیت لے یا ہار جائے، بخوشی و رغبت شرعی محضر سے رخصت ہوتے تھے۔

ہم نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ دیوانی کیس لڑنے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کے بغیر دیوانی مقدمہ نہیں لڑا جاسکتا (۱) مالِ قارون (۲) عمر نوح اور (۳) صبر ایوب۔ مالِ قارون رشوت سمیت بے

تجاشہ خرچ کی وجہ سے، عمر نوح اس لیے کہ دیوانی کیس نسل در نسل چلتی ہیں پھر بھی فیصلے نہیں ہوتے اور صبر ایوب اس لیے کہ یہاں عدالتی اہل کاروں کے خزعے، وکیلوں کے چونچلے بار بار پیشیوں کی ٹھوکریں عام لوگ برداشت کر ہی نہیں کر سکتے۔ وطن عزیز میں عدالتوں میں جو کچھ ہو رہا ہے اور بااثر اور صاحب حیثیت لوگ عدالتوں کو مرعوب کرنے کے لیے جو جو حربے اختیار کرتے اور من پسند فیصلے لینے کے لیے جو اقدامات بشمول عدالتوں پر حملہ وغیرہ کرتے ہیں، وہ سب ہمارے سامنے ہے حکومت کی جانب سے عدل و انصاف کی فراہمی کے لیے اربوں خرچ کی جارہی ہیں بھاری تنخواہوں پر ججوں اور عدالتی اہل کاروں کا پورا لاوا لشکر، ہر قسم کی سہولتوں سے آراستہ پر تعیش عمارتیں اس کے باوجود عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے اور غریب لوگ انصاف کے لیے ٹھوکریں کھاتے پھرنے پر مجبور ہیں لیکن آفرین ہے ہمارے ان بوریائشین علمائے کرام اور زعمائے ملت پر جنہوں نے مانگے مانگے کے کمرے میں ٹاٹ پر بیٹھ کر فوری اور مفت انصاف کی فراہمی کو یقینی بنا کر دکھایا۔

افسوس محب مسلک اور انسان دوست علمائے کرام اور زعمائے عظام ایک ایک کر کے رخصت ہوئے جو مجاہدین موجود ہیں انہیں دیوار سے لگا دیے گئے اب وہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں مسلک کی قیادت جن ہاتھوں میں ہیں، وہ اپنی سیادت کی فکر میں دبلے ہو رہے ہیں انہوں نے اپنے ڈھپ کے لوگوں کو مسلکی تنظیموں کے عہدوں پر مسلط کر رکھے ہیں ان پجارو میں گھومنے پھرنے والے قائدین اور ان کے سحر میں پاگل و خوار ہونے والے مقلدین کو دین کا درد ہے نہ انسانی مشکلات کا احساس گویا

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

ہمیں یہ دن بھی دیکھنا پڑا کہ آنجناب کی وفات کے بعد گویا ان تلوں میں تیل نہ رہی، کے مصداق ادارہ مکمل بند ہو گیا ہے۔ آج یہ بدنصیب قوم حصول انصاف کے لیے پیچیدہ عدالتی نظام میں خوار ہونے کو ہے لیکن فکرِ فردا کرنے اور قوم کو نجات دلانے کے منصوبے بنانے اور اس میں رنگ بھرنے والا کوئی ہے اور نہ ہی مستقبل میں کوئی امکان نظر آتا ہے کیونکہ جن لوگوں کو دینی قیادت کا دعویٰ ہے اور جو لوگ اپنے دنیوی مفادات کے حصول کے لیے انہیں زبردستی قوم پر مسلک کرنے کا اصرار اور ضد ہے انہیں قوم کی فکر ہے نہ انسانیت کا غم انہیں صرف اور صرف اپنی کرسی اور سیادت سلامت رہنے کی تمنا ہے اور بس۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کی لغزشوں کو معاف کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

این دعا از من و از جملہ جهان آمین باد فی سبیل اللہ انجام دہی

یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ماضی میں یہ سارا عمل فی سبیل اللہ ہوتا تھا محکمہ شرعیہ کی تشکیل اور دفتر کے قیام سے پہلے یہ سارا عمل کسی سرکردہ فرد کے گھر پر انجام پاتا تھا گھر کا مالک علمائے کرام کو محضر پیش کرتے تھے لیکن دفتر کے قیام کے بعد شرعی محضر دفتر میں لگتا تو ان علمائے کرام کی ایک یا دو وقت کے خورد و نوش کے لیے صوفی حسن مرحوم کو سخت پا پڑ بیٹنا پڑتا تھا۔ ان دنوں آمد و رفت کے لیے سڑکیں ہی موجود نہیں تھیں نالہ جات میں سڑکیں سیاجن میں بھارتی مداخلت 1984 کے بعد بنیں چنانچہ علامہ سید علی شاہ صاحب اپنے گھوڑے پر سفر کرتے اور پھڑاوا کے ایک رئیس مالی نامی شخص کو ساتھ لے کر شرعی محضر لگاتے اور وہیں فیصلے صادر کرتے۔ ادھر علامہ محمد بشیر اور سید جمال الدین براہ میں ہوتے 1980 سے پہلے انہیں خپلو آنے جانے کے لیے برس پڑی کے اوپر سے آنا پڑتے کیونکہ ابھی موجودہ روڈ نہیں بنی تھی ان دنوں کوئی ٹرانسپورٹ نہیں چلتی تھی اور نہ ہی ان کے گھروں میں گھوڑے تھے۔ شاہ صاحب ایک عارضی سب پوسٹ آفس چلاتے تھے جس سے انہیں چند سو روپے ملتے ان کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے وہ دوسرے سادات کی مانند محلہ محلہ جاکر نذر و نیاز لینے کے قائل ہی نہیں تھے۔ زرعی پیداوار برائے نام، معلوم نہیں وہ کیسے زندگی بسر کرتے تھے؟ شرعی محضر جانے کا یہ تھکا دینے والا سفر وہ 2 گھنٹے میں پیدل طے کرتے اور مقررہ وقت پر مقررہ جگہ پہنچ کر شرعی محضر لگایا جاتا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ایک حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرٍ مِّنْ نُورِ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا۔

بے شک عدل و انصاف کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس نورانی منبروں پر رونق افروز ہوں گے۔ جو

اپنے معاملات، اہل و عیال اور ملنے والوں میں انصاف کرتے ہیں۔ (مسلم، ریاض الصالحین)

مجھے یقین ہے حضرت سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ انہی میں سے ایک ہیں۔



مفتی سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت و خدمات

ابوریحان کاچو اختر بلغاری

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے اصول خداوندی کے تحت ہر ذی روح نے ایک نہ ایک دن اس دنیائے فانی سے کوچ کر جانا ہے اور اس مصیبت پر پسماندگان کو صبر و شکر کا اظہار کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ گردشِ ایام کے مرہم کی وجہ سے اس غم کو بھول جانا ہی ہوتا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی جدائی کے غم میں دنیا ایک عرصہ تک ماتم کرتی رہتی ہے انہی بندگان خاص میں سے ایک عظیم ہستی میرے مدوح بھی ہیں جن کی وفات پر حسرت عین اس وقت ہوئی جب خطے میں بالخصوص نور بخشی دنیا میں علمائے کبار تقریباً سارے وفات پا چکے تھے اور اہل علم و عرفان ناپید ہونے لگے تھے اور علم و عرفان کی دنیا میں قحط الرجال کا دور شروع ہو چکا تھا۔ آپ کی موت اس سلسلے کی آخری کڑی ثابت ہوئی اور ۴ جولائی ۲۰۲۰ء کو قضائے الہی سے آپ بھی ہمیں الوداع کہہ گئے۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**۔ اللہ آپ کے قبر پر رحمت کا نزول فرمائے۔ (آمین)

نام و نسب: آپ کا اسم گرامی سید جمال الدین موسوی بن سید محمد موسوی ہے آپ کا تعلق براہ بالا کے واحد نامی گرامی سادات خاندان سے تھا آپ کے والد گرامی سید محمد مرحوم اعلیٰ حسب و نسب، تقویٰ اور بارعب شخصیت کی بنا پر خطہ میں ممتاز مقام کے حامل تھے اور لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ آپ کے بڑے بھائی سید مختار حسین موسوی مرحوم کا شمار بھی بلند پایہ علماء و فضلاء اور صاحب قلم شخصیات میں ہوتا تھا۔

حالات زندگی: آپ نے ابتدائی دینی تعلیم براہ سے اور ابتدائی دنیوی تعلیم خپلو سے حاصل کی کیونکہ اس دنوں براہ میں کوئی پرائمری سکول نہیں تھا۔ اس دوران ہی آپ کی ذہانت و فطانت اور خداداد صلاحیت ظاہر ہونے لگی تھی۔ آپ کے کلاس فیلوز کے بقول آپ کا شمار کلاس کے ہونہار طلبہ میں ہوتا تھا اور ہمیشہ امتیازی نمبروں کے ساتھ پوزیشن حاصل کرتے تھے۔ معروف عالم دین اور مؤلف علامہ محمد بشیر مرحوم بھی آپ کے بچپن کا ساتھی اور ہم جماعت تھے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دونوں نے اکٹھے مزید دینی علوم کے حصول کے لیے پنجاب کا رخ کیا جہاں دارالعلوم محمدیہ سرگودھا سے فارغ التحصیل ہوئے اور منشی فاضل کی سند حاصل کی۔ دینی

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ اپنے آبائی گاؤں براہ واپس آگئے جہاں اپنی بقیہ زندگی ایک داعی، مصلح اور شرعی قاضی کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

انداز خطابت: خانقاہ معلیٰ براہ بالا کے میر واعظ اور خطیب ہونے کی حیثیت سے خطبہ جمعۃ المبارک، محرم الحرام اور دیگر مذہبی تقریبات و رسومات کی ذمہ داری پوری کرتے رہے۔ خطبات اور تقاریر میں عامۃ الناس کی ذہنی صلاحیت اور استعداد کو ملحوظ خاطر رکھتے اور دقیق مسائل بھی سلیس، آسان اور عام فہم انداز میں عوام کے ذہن نشین کراتے۔ آپ روایتی واعظین اور ذاکرین کی طرح بے سند اور ضعیف روایات نقل کرنے اور حکایت گوئی سے کام لینے کے بجائے قرآن و حدیث کی روشن تعلیمات اور آثارِ بزرگان سے اپنی تقاریر کو مستدل اور مبرہن کرتے تھے۔

خصائل اور ذاتی اوصاف: آپ کی شخصیت میں انس و محبت اور شفقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، بارعب شخصیت اور خاندانی وجاہت کے باوجود عامۃ الناس میں گھل مل جاتے اور مزاح و ظرافت سے بھی لطف اندوز فرماتے۔ گفتگو ہمیشہ ٹھہر ٹھہر کر کرتے بلند آواز میں کبھی بات نہ کرتے اگر کسی کی بات پر غصہ آتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری عیاں ہو جاتی لیکن اُسے سخت الفاظ میں ملامت کرنے کی بجائے نرمی اور حکمت آمیز باتوں سے نصیحت کرتے۔ آپ بہت ہی کم گو مگر ضروری باتیں ہمیشہ متانت، وقار اور حکمت کے ساتھ کرتے تھے۔

طرز زندگی: آپ کے اندر خدمت خلق کا جذبہ اور سادگی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ خاندانی عظمت و وقار اور علمی جلالت کے باوجود ایک درویش کی طرح زندگی گزاری۔ دنیاوی جاہ و منصب اور حرص و لالچ سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔ معمولی سی اجرت کے عوض، خدمت خلق کی خاطر برانچ پوسٹ آفس براہ بالا میں پوری نصف صدی پوسٹ ماسٹر کے فرائض انجام دیتے رہے اور اہل علاقہ کی بے لوث خدمت کی۔ لہذا علمی و دینی مصروفیات کے علاوہ باقی اکثر اوقات کام کاج اور سخت کوشی میں گزارتے۔ آپ کی جلالت علمی محتاج بیان نہیں آپ کا شمار بتحر علماء میں ہوتا تھا۔ علم کی پختگی اور وسعت نظری کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ بڑے بڑے اہل علم آپ کی علمیت اور فقاہت کے معترف تھے اور جرأت و بے باکی، حق گوئی، اصول پسندی اور زہد و تقویٰ جیسی صفات سے متصف تھے۔ بقول اقبالؒ

آئین جوان مرداں حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی

مسائل دینیہ کے بیان اور شرعی فیصلوں میں مصلحت شرعی کے علاوہ کسی قسم کی دنیاوی مصلحت اور منفعت و مضرت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ استغناء اور فقر کا یہ عالم تھا کہ پوری زندگی ارباب اختیار اور سیاسی طبقہ سے دور رہے اور ان کے ساتھ قربت بڑھانے اور ان سے مرعوب و متاثر ہونے کی کسی بھی صورت کو اہل علم کی شان اور منصب کے خلاف سمجھتے تھے۔ آپ نے ساری زندگی ایک عالم ربانی کی حیثیت سے گزاری اور قرآن کی آیات لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ اور لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کی عملی تصویر پیش کی۔

دینی و علمی خدمات: یوں تو آپ کی پوری زندگی دینی خدمات سے عبارت ہے تاہم خصوصی طور پر شعبہ قضا سے وابستہ رہے جہاں آپ نے سینکڑوں مقدمات شرعیہ کے فیصلے صادر فرمائے۔ جن کا ریکارڈ اب بھی محفوظ ہے اور قانون و فقہ اسلامی کے طلباء کے لیے ایک دلچسپ اور قیمتی سرمایے کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ ضلعی زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین بھی رہے، شرعی بورڈ کے ممبر اور سپریم علماء کونسل کے صدر اور سرپرست بھی رہے۔ کسب معاش اور قضاوت کی مصروفیات کے باعث اور مقامی حالات کے سازگار نہ ہونے اور روایتی مذہبی طبقے کی غیر علمی رویے کے پیش نظر رجحان ہونے کے باوجود تصنیف و تالیف کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے حالانکہ آپ کے بقول زمانہ طالب علمی ہی میں متفرق موضوعات پر مشتمل ایک بڑا تحریری ذخیرہ صندوق میں چھوڑ آیا تھا۔ آپ مزید علمی پیاس بجھانے کی خاطر دارالعلوم محمدیہ واپسی کے ارادے سے گاؤں تشریف لائے اور دینی و علمی مصروفیات اور معاشرتی و مذہبی ذمہ داری کی وجہ سے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس طرح یہ تحریری سرمایہ دوبارہ ہاتھ نہ آسکا۔ بایں ہمہ آپ کی قلمی کاوشوں میں "نور بخشی دینیات" شامل ہے جو زمانہ تصنیف سے اب تک نور بخشی طلبہ کے لیے پرائمری سطح پر داخل نصاب ہے اور پبلک سکولوں میں پڑھائی جا رہی ہے۔ اس کتابی سیریز کی تالیف میں آپ کے ساتھ علامہ ابو العرفان محمد بشیر بھی شامل تھے۔ آپ کے قانونی و شرعی فیصلے بھی بہترین علمی و ادبی محاسن کا مجموعہ ہیں اس کے علاوہ علمائے کرام کی جانب سے صادر کئے گئے فتاویٰ میں بھی آپ کا اہم کردار رہا ہے۔

آپ کو عربی و فارسی کے علاوہ اُردو، پنجابی اور انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ آپ کی انہی صلاحیتوں کی وجہ سے اہم معاملات میں آپ سے رہنمائی لی جاتی تھی چنانچہ جب چٹچن کا واقعہ پیش آیا اور نور بخشی مرکزی قیادت کو سرکاری حکام سے گفتگو کرنے کے لیے اعلیٰ صلاحیتوں والے کی ضرورت پیش آئی اُس وقت

نور بخشی پیر سید عون علی شاہ مرحوم نے آپ کو خصوصی طور پر اس معاملے میں نائب کی حیثیت سے سکرو اور گلگت روانہ کیا جہاں آپ نے ملت نور بخشیہ کی احسن طریقے سے ترجمانی کی۔

آپ کی حق گوئی اور حاضر جوابی بھی قابل رشک تھی چنانچہ ایک شرعی مقدمے کے سلسلے میں فریق ثانی کے مفتی نے پیر سید عون علی مرحوم اور دیگر معززین کی موجودگی میں آپ کے فیصلے پر نقد کیا۔ چونکہ مذکورہ معاملے میں عورت کے ظہر کا مسئلہ زیر بحث تھا اور آپ نے کسی صاحب تمیز قابل اعتماد خاتون کے ذریعے عورت کا معائنہ کرا کر معاملے کی نوعیت معلوم کر لی تھی اور اس بنیاد پر فیصلہ بھی دیا تھا۔ اب مفتی صاحب بواعون مرحوم کی حمایت و ہمدردی حاصل کرنے اور آپ کو مرعوب کرنے کی غرض سے یوں مخاطب ہوئے "جمال صاحب! آپ نے عورت کا معائنہ کرانے کے لیے ایک عام خاتون کے بجائے پیر صاحب کی زوجہ محترمہ کا انتخاب کیوں نہیں کیا؟" تو آپ نے برجستہ جواب دیا "مفتی صاحب! فقہ احوط میں پیر کی زوجہ کا ذکر نہیں تھا" ایسے بر محل موقع پر اور اصولی جواب سن کر مفتی صاحب تو خاموش ہو گئے لیکن بواپیر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور دیگر حاضرین مجلس ایک دوسرے کی طرف تعجب سے دیکھنے لگے اور اسی پر مجلس برخاست ہو گئی۔

گو کہ آپ اپنی ذات میں حلم، شرافت اور عاجزی کے پیکر تھے تاہم اہل علم کی مجلسوں میں علمی غلطیوں کی اصلاح کرتے چنانچہ کسی محفل میں اگر کوئی عالم دین فروعی مسائل یا علمی نکات کے بیان کرنے میں غلطی کا شکار ہو جاتے تو اسی محفل میں اس کی اصلاح فرماتے اور اس سلسلے میں کسی قسم کا لحاظ نہیں رکھتے تھے اصلاح کے وقت غیظ و غضب اور علمی فوقیت کے اظہار کے بجائے قرآن کے بیان کردہ حکمت تبلیغ اور اصول موعظت سے کام لیتے تھے۔ اس طرح کے درجنوں واقعات زبان زد عام ہیں آپ انہی بے لوث اور بے باک رویہ کی وجہ سے پورے خطے میں بطور عالم دین، بزرگ سید اور شرعی قاضی ممتاز و فائق رہے اور لوگ بلا تفریق فقہی مسالک، مقدمات شرعی کے فیصلے کے لیے آپ سے رجوع کرتے چنانچہ ہر دوسرے تیسرے روز آپ کے گھر سرکردگان، علماء اور اہل حاجات عوام الناس کے وفود کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا جو تادم آخر جاری رہا۔ آپ نے ہمیشہ امن و محبت اور اتحاد و اتفاق کی علمبرداری کی اور ہر قسم کے سطحی اور فرقہ وارانہ جھگڑوں میں پڑنے کے بجائے اپنے علم و فضل اور بے داغ کردار سے زمانے کو فیضیاب کیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

میرے اُستاد میرے محسن

محمد یوسف ثاقب براہ پائین

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ (الحديث) عالم کی موت گویا عالم (جہاں) کی موت ہے۔

احوال و آثار: میر سید جمال الدین موسویؒ آپ مذہب صوفیہ نور بخششہ کے علمائے اعلام اور قاضی القضاۃ دین متین میں سے تھے۔

شخصیت: آپ ملیح و خلیق اور خاموش پسند، سیادت و قیادت اور امارت میں بے مثل اور دینی فقاہت میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ علاقہ براہ کے بالخصوص اور ضلع گانچھے کے بالعموم ایک ایسے عالم دین تھے جن کی نظیر پورے گلگت بلتستان میں موجود نہیں تھی اور تمام مکاتب فکر کے ہاں یکساں مقبول اور محترم تھے۔

مقبولیّت کاراز: آپ ایک جید عالم دین اور فقیہ تھے آپ ہر قسم کی حرص و خوف و شہرت سے مبرا و منزہ تھے اور کسی جابر و ظالم کے دباؤ میں آئے بغیر ایسے فیصلے صادر فرماتے کہ اہل تشیع ہو یا اہل سنت، اہل حدیث ہو یا صوفیہ نور بخششہ سبھی آپ کے فیصلے کو دل سے قبول کرتے۔ قرآن پاک، حدیث مبارکہ اور فقہ کی روشنی میں ہر قسم کے تنازعات کا فیصلہ فرماتے۔ آپ کے فیصلوں کے خلاف چہ میگوئیاں کرنے کی گنجائش نہیں رہتی تھی یہی وجہ ہے کہ کسی بھی مذہب کے مفتیوں کو آپ کے فیصلوں پر نکتہ چینی کرنے کا موقع نہیں ملا۔ آپ کے تمام فیصلے معتبر اور متین رہے۔ آپ کی پوری زندگی تمام مسالک میں اتفاق و اتحاد اور امن و یگانگت کی علمبرداری میں گزری۔

مذہبی خدمات: بلتستان بھر میں صوفیہ نور بخششہ کی پہچان کی خاطر اور مذہبی ترقی کے لیے جناب حضرت علامہ محمد بشیرؒ کے ساتھ مل کر "نور بخشی دینیات" اول تا ششم کی ترتیب و تالیف مکمل کر کے بچوں کے ہاتھوں تک پہنچایا اور جب بھی خدمت دین کا موقع ملتا آپ بڑھ چڑھ کے حصہ لیتے۔ چنانچہ ہر قسم کے اندرونی فساد یا بیرونی سازشوں سے مذہب میں دراڑ آنے لگتے تو سینہ سپر ہو کر دین حقہ کے بچاؤ کے لیے دن رات کوشش کرتے اور سرخ زور ہتے۔

جب خانقاہ معلیٰ چٹجین میں صوفیہ نور بخششہ اور اہل تشیع کے مابین جھگڑا ہوا تو دونوں طرف کی اہم

شخصیات کو گرفتار کر لیا گیا۔ وطن عزیز میں اس وقت جنرل ضاء الحق نے مارشل لا لگا رکھا تھا چنانچہ کیس کا فیصلہ ہونے میں دیری ہوئی اور دونوں مسالک کے علماء اور قاضیوں کو پیشی پر جانا پڑتا۔ قصہ مختصر آخری فیصلے کے لیے گلگت فوجی عدالت میں فریقین کے علمائے اعلام کو بلایا گیا۔ اس وقت سلسلہ نور بخشش کے قاضی القضاۃ پیر صوفیہ نور بخشش حضرت سید عون علی شاہ الموسویٰ کو بلایا گیا آنحضرت کی اردو میں روانی نہیں تھی اس لیے علمائے صوفیہ نور بخشش کے مشورے سے پیر صاحب نے نائب پیر کی سند تحریر عطا فرما کر گلگت جانے کے لیے آپ کو منتخب کیا چنانچہ آپ نے نامساعد حالات کے باوجود اس ذمہ داری کو قبول کیا اور وہاں سلسلہ نور بخشش کی کماحقہ ترجمانی کا حق ادا کیا۔

آپ عالم بے مثل ہونے کے ساتھ ساتھ بے باک، جرأت مند اور دلیر بھی تھے آپ گلگت تشریف لے گئے اور آخری فیصلے کا دن آیا اور فوجی عدالت میں جنرل صاحب نے حضرت موصوف پر کچھ دباؤ ڈالنے اور مرعوب کرنے کی کوشش کی تو آپ نے اس موقع پر شیر ببر کی طرح سینہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہاں شوٹ کریں یا حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ دیں۔ آنجناب کا جلال و رعب اور سچائی دیکھ کر جنرل صاحب کو یقین ہوا کہ خانقاہ معلیٰ چچین صوفیہ نور بخشش کا اثاثہ اور مرکز ہے۔ اور یوں سلسلہ نور بخشش کے حق میں فیصلہ سنا دیا گیا اور آپ فیصلہ نامہ لے کر کامیاب و کامران واپس تشریف لائے۔

تعلیم و تربیت اور تدریس کا انداز: آپ ایک حلیم الطبع اور خوش مزاج انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین معلم اور بے مثال راہنما بھی تھے چنانچہ آپ ہی کی کوشش سعید سے براہ بالا میں انوار العلوم کے نام سے مرکزی درس گاہ وجود میں آئی اور آپ اسی درس گاہ میں آخر عمر تک پڑھاتے رہے۔ زراعت اور کاشت کاری کے پیشے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے انوار العلوم کے طلباء و طالبات کو مدرسہ آنے کے لیے وقت کی پابندی پر عمل بے حد مشکل کام تھا۔ جب پڑھانے کا وقت ختم ہو کر آپ گھر تشریف لے جاتے تو راستے میں دیر سے آنے والے بچوں سے ملاقات ہوتی تو وہیں راستے کے کنارے پر بیٹھ کر ان کو پڑھاتے یا ساتھ گھر لے جاتے اور وہیں پڑھاتے لیکن کبھی بھی خفگی کا اظہار نہ فرماتے تھے۔ آپ کی مرہون منت سے آج بھی یہ مدرسہ کامیاب اور فعال ہے اور اب تک بے شمار لوگ قرآن کریم، الفقہ الاحوط، دعوات الصوفیہ اور دیگر کتب و رسائل کے علوم و معارف سے فیضیاب ہو چکے ہیں۔

راقم کو بھی آپ کے شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہے چونکہ حقیر کا تعلق براہ پائین سے ہے جو کہ براہ بالا سے تقریباً آدھ گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے اس وجہ سے میں آپ کے گھر جا کر پڑھتا رہا۔ میرے لیے کوئی خاص وقت مختص نہیں تھا جب بھی مجھے گھریلو اور زرعی کاموں سے تھوڑا وقت مل جاتا میں آپ کے در علم و معرفت پر حاضر ہو جاتا آپ مجھے خصوصی طور پر وقت نکال کر پڑھا دیتے تھے۔ یہ سلسلہ تقریباً پانچ سال تک جاری رہا۔ اس دوران الفقہ الاحوط، مودۃ القربی، گلستان، بوستان، نحو میر، کتاب الصرف و کتاب النحو وغیرہ درسا پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

آپ کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی زور دیتے تھے چنانچہ شاگردوں کے اخلاق اور اطوار و عادات کی اصلاح بھی فرماتے تھے۔ آپ ہی کی توجہ و تعلیم کی بدولت براہ پائین میں آج امامت، تدریس اور خطابت کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور رحمتہ للعالمین کی معیت نصیب فرمائے۔ (آمین)



ایک روشن چراغ جو بجھ گیا

عشرت بانو بنت غلام حسین براہ بالا

04 جولائی 2020ء بمطابق 12 ذوالقعدہ کا دن یقیناً عالم اسلام کے لیے عموماً اور نور بخشی دنیا کے لیے خصوصاً ایک سیاہ دن ثابت ہوا کیونکہ اس دن چراغ دین روشن کرنے والے اور اس کی روشنی کو کفر و ضلالت کے جھکڑوں سے بچا کر ہر سو پھیلانے والے بزرگ ہم سب کو روتے تڑپتے چھوڑ کر خالق حقیقی کے مہمان بن گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اس روشن چراغ سے میری مراد میرے ممدوح حضرت سید جمال الدین الموسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔

حضرت سید جمال الدین الموسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات سے ہم سب غمزدہ ہیں یہ کوئی معمولی نقصان نہیں لیکن صبر کرنے والوں کو ہی اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ مرحوم خود بھی صبر و رضا کے پیکر تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی اسلام کی خدمت اور دین کی آبیاری اور خلق خدا کی آرام و آسائش کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اس بزرگ ہستی نے اپنی زندگی کی 85 بہاریں دیکھیں۔ اس عرصے میں آپ نے اپنی ساری توانائیاں اور خداداد استعدادیں دین کے تحفظ، ترویج، ترقی اور اشاعت میں صرف کیا اور پوری زندگی کو اسلامی طرز حیات کے فروغ اور اسلامی فلاحی معاشرے کی تشکیل میں گزار دیا۔

اس دنیا میں کوئی بھی شخص ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آتا ہر ایک نے اپنے وقت مقررہ پر اس فانی دینا سے عالم بقا کی طرف کوچ کر جانا ہے چاہے نبی ہو یا رسول۔ ولی ہو یا گناہگار۔ فاسق ہو یا منافق۔ مسلمان ہو یا کافر۔ دیر یا سویر ایک نہ ایک دن موت کا سامنا کرنا ہے کسی عرب شاعر نے بہت خوب کہا ہے

الْمَوْتُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوهَا وَالْمَوْتُ كَأْسٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوهَا

یعنی موت ایک دروازہ ہے جس سے ہر ایک نے گزرنا ہے اور موت ایک ایسا جام ہے جسے ہر جاندار نے نوش کرنا ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت اور ہمارے روز کا مشاہدہ ہے کہ دنیا سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ روزِ رحلت کر جاتے ہیں لیکن یہاں سے کوچ کر جانے والوں میں سے ایک وہ ہے جس کی رحلت نہ صرف اپنے گھر اور خاندان والوں کو سو گوار چھوڑ جاتا ہے بلکہ پورے عالم کو غم و الم سے نڈھال کر دیتا ہے۔ اسی کی جانب رسول اکرم ﷺ نے ایک حدیث پاک میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: **مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ**۔ یعنی ایک عالم کی موت ایک عالم کی موت ہے۔ سید جمال الدین الموسوی مرحوم عالم گیر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی اچانک موت سے عالم نور بخششہ میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ تا دیر پورا نہیں ہو سکے گا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و رپیدا

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی موت کے غم میں امت مسلمہ کے تمام مسالک کے لوگ شریک غم ہوئے جنہوں نے جنازے میں شرکت اور بعد وفات لواحقین کی تعزیت کے موقعوں پر ان کی دینی و معاشرتی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا کیونکہ موصوف مرحوم کی خدمات جلیلہ بے لوث تھی اور ان کی زندگی اسلام کے حقیقی طرز زندگی کو عیاں کرتی تھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آئین اسلام پر کار بند رہنے اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزارنے کی توفیق بخشے اور میری مدوح بوا محترم کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)



مفتی سید جمال الدین اور آپ کا بے مثال شخصیت

محمد اسحاق عرفانی

تخلیق انسانی میں رب زوالجلال نے بے شمار تنوعات ودیعت دے رکھی ہیں۔ ہرزی روح کی بالعموم ہر انسان کی بالخصوص متمیزات اور متفردات ہیں۔ یہی تمیزات و تفرادات انسان کی تشخص اور تعارف کا سبب بنتے ہیں اور قدرت الہی کا مظہر بنتے ہیں۔ انسان کی مقصد تخلیق بھی معرفت خداوندی ہیں۔ اس مقصد کی حصول تب ممکن ہو گا جب انسان پہلے خالق لم یزل کی مرضیات، غیر مرضیات سے آگاہ ہو اس کے اوامر و منہیات سے واقف ہو پھر اس خالق کی مرضیات کو اپنا زندگی کا حصہ بنانے اور ان کے اوامر پر عمل کرنے کی حتی الامکان کوشش کرے۔ رب لم یزل کے غیر مرضیات اور منہیات سے اجتناب کرے۔ یعنی اپنے آپ کو قانون الہی کے مکمل حوالہ کرے اور قضا خداوندی کو بلاچوں چرا تسلیم کرے۔ ان امور کو مد نظر رکھ کر زندگی گزارنے والا انسان کامیاب ہو گا۔ ان امور میں کوتاہی اور تقصیر کا مظاہرہ کرنے والا خائب و خسران ہو گا۔

مولانا سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی ان شخصیات میں سے ہیں جو میرے علم اور مشاہدے کے مطابق مرحوم و مغفور ہمہ جہت شخصیت کا مالک انسان تھا۔ مرحوم نے سب سے پہلے مرضیات الہی اور اوامر خداوندی سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے زندگی کے ابتدائی ایام حصول علم میں گزارے۔ فراغت کے بعد خدمت دین متین کے لیے اپنے آپ کو وقف کر لیا۔ اشاعت و احیائے دین کے لیے جہاں مناظرے کی ضرورت پڑتی وہاں علامہ مرحوم و مغفور سے ملکر مناظرہ کے لیے تیار رہتے۔ مرحوم و مغفور کے اپنے قول کے مطابق علامہ مرحوم کے قلم اور تحریر کے لیے موصوف کا زبان اور تقریر معاون بن جاتا۔

مرحوم کی زندگی کے بہت سارے گوشے بے نظیر و بے مثال تھے۔ آپ ایک نڈر مبلغ تھے جہاں شرعی امور میں کوتاہی ہوتے ہوئے دیکھتا آپ بلا کسی خوف لومۃ لائم ان کی اصلاح کی طرف مذکورہ بندے کو متوجہ فرمایا کرتے۔ احیائے سنت اور رفع بدعت میں کبھی آپ کوتاہی کا مظاہرہ نہ فرماتے البتہ قرآن کریم اصول تبلیغ کے تدریجی صورت کو مد نظر رکھتے۔ آپ کے زندگی کا نمایاں اور انفرادی پہلو یہ تھا کہ الحکمۃ عشرۃ اجزاء تسعہا

فی الصمت "کا آپ مکمل مرقع تھا آپ ایک خاموش طبع اور بات کو تول کر بولنے والا انسان تھا۔

آپ کی قناعت پسندی قابل دید تھی اور خدمت خلق کے جذبے سے سرشار تھے۔ آپ اپنے ہاتھ سے کمانا پسند فرماتے کبھی آپ نے دیگر سید اور میر واعظین کی طرح نذر کی مد میں چندہ نہیں لیا۔ جو ملتا اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا۔ اس لیے خدمت خلق کے جذبے سے اور بندگان الہی کو آسانی پہنچانے کے لیے آپ نے براہ میں ڈاک کے شعبہ میں رضا کارانہ 35 سال کے طویل عرصے خدمت دیتے رہے۔ لیکن ہم من حیث القوم ابھی تک نابالغ ہیں اس لیے ہم ایسے نابغہ روزگار شخصیت سے علمی مراکز قائم کر کے ان سے سرپرستی اور استفادہ کے ہزاروں شاگرد اور علماء پیدا کرنے کے بجائے ان کو محض دور رکعت کا امام اور ڈاکخانہ کا بابو بنا کے اس کے عظیم صلاحیتوں منوں مٹی دفن کر لیا۔

آپ کا سپریم کونسل علمائے صوفیہ نور بخشش کے صدارت اور سرپرستی فرمانا ناقابل فراموش خدمات ہیں۔ آپ انتہائی گھمبیر مسائل بھی آپ دو تین جملوں میں حل فرماتے۔ سپریم کونسل کے ممبر کے حیثیت سے سید مرحوم کو اجلاس میں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ موصوف کے شخصیت سے متاثر ہوئے نہ رہ سکا۔ کئی اجلاس کی صدارت موصوف نے فرمائی جس میں آپ بہت کم لب کشائی فرماتے لیکن اجلاس کا نتیجہ صرف دو تین جملوں میں ادا فرماتے وہ کلمات حسو وزوائد سے مبرا اور (خیر الکلام ماقول و دل) کا مرقع ہوتا۔ آپ اپنے مدرسہ فیروزیاہم عمر علمائے کے آخری کڑی تھے۔

ہم نے سوچنا اس بات پر ہے کہ کیا ہم اپنے سلف کے کردار و گفتار، سیرت و احوال پر عمل پیرا ہو کر اپنے زندگی کو کامیابی کے شاہراہ پر ڈالیں یا ہم ماضی ماضی (جو گزر گیا گیا) پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنے بزرگوں کے آثار و سیرت کو بھلا دیں اور راہ ضلالت کے گڑھے میں جا پڑیں۔



مفتی سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اور خدمات

محمد یعقوب براہوی

میں نے زندگی میں بنفس نفیس سب سے زیادہ جس کی تقریر سنی ہے، خواہ وہ خطبہ جمعہ ہو یا دیگر اسلامی تہوار کی، وہ شخصیت سید جمال الدین براہ والے ہیں۔ راقم نے سید جمال الدین کے محلے میں آنکھ کھولی اسی نسبت سے بچپن و لڑکپن سے جوانی تک دن میں کم و بیش 2 بار اُن سے شرف ملاقات حاصل کرتا رہا۔ کیونکہ محلے کے بیچ میں اُن کا ڈاکخانہ ہوتا تھا تو ہم لڑکے روزانہ ضرور اُن کے ہاں خط وغیرہ کا پوچھنے جایا کرتے تھے۔ وہ بچوں سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے لیکن اصلاح کی نیت سے اُن کا لڑکوں کے معاملے میں مزاج کافی سخت ہوتا تھا۔ لڑکپن میں ہمیں کئی بار اُن سے ڈانٹ کھانی پڑی۔

ہم اکثر دیکھتے تھے اُن کے ہاں مختلف علاقوں کے لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی اُن لوگوں میں کھر کو اور تھلے سے آنے والے لوگوں کو پہچاننا قدرے آسان تھا کیونکہ یہ لوگ اُس زمانے میں مخصوص لباس و ٹوپی کا استعمال کرتے تھے۔

ہمیں یاد ہے کہ ایک بار سید جمال الدین صاحب کو کسی تھلے والے شخص پر غصہ ناک ہوتے دیکھا اُن کا غصہ اس قدر شدید تھا کہ ہم ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ نکلے تھے بعد میں معلوم ہوا وہ شخص کسی شرعی مسئلے پر سید جمال الدین مرحوم سے فتویٰ لینے آیا تھا ساتھ میں کچھ دیسی گھی بطور تحفہ لایا تھا جسے وہ تحفہ یا نذر قرار دیتا تھا لیکن سید صاحب اسے خالص رشوت سمجھتے تھے۔ راقم کو سید جمال الدین مرحوم کے وہ الفاظ آج بھی یاد ہیں جب آپ اُس شخص سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے کہ اُٹھاؤ اپنا کیا لبو (مقامی ساختہ خاص تھیلا) جا کر فلانے کو دے دو جو اس طرح کے تحفہ تحائف کے عوض من پسند فتویٰ لکھ کر دیتے ہیں میرا الحمد للہ گزر بسر لوگوں کے کپڑے سی کر اور کھیتی باڑی سے ہو رہا ہے۔

سید جمال الدین بہت قابل اور دانشمند شخصیت کے مالک تھے وہ نہایت جاندار تحریر لکھتے تھے مارشل لاء کے دور میں وہ قاضی مقرر ہوئے۔ سید عون علی شاہ مرحوم نے، جو اُس زمانے میں نور بختیوں کا موروثی پیر تھا،

اس وقت خپلو میں موجود علماء میں پڑھا لکھا اور موزون ہونے کی وجہ سے سید جمال الدین کو تحریراً اپنا نائب مقرر کیا تھا اور کئی بار مارشل ایڈمنسٹریٹر کی میٹنگ وغیرہ میں سید جمال الدین نے نور بخشوں کی نمائندگی کی۔ سید عون علی شاہ مرحوم کی وفات کے بعد اصولی طور پر سید جمال الدین کو پیر نامزد کرنا چاہیے تھا کیونکہ اُس کے ہاں سید عون علی شاہ کی جانشینی کا تحریری ثبوت موجود تھا لیکن خپلو والوں نے اُن کے بیٹے سید محمد شاہ نورانی کو منصب پیریت پر فائز کیا۔

فتنہ سکندری کے حوالے سے اُن کا جاندار فتویٰ منظر عام پر آنے کے بعد لوگ انہیں مفتی سید جمال الدین کہنے اور لکھنے لگے۔ کمپیوٹرائزڈ فقہ احوط کی اشاعت 2016 کے بعد کراچی سے ایک شرپسند کی شرانگیز کرتوت نے کراچی سے لے کر سیاحن کے دامن تک سلسلہ نور بخشہ کے پیروکاروں میں ایک ہجانی کیفیت پیدا کر دی جس کے اثرات نور بخشی معاشرے میں اب بھی باقی ہیں۔ کراچی میں مقیم وہ فرد آئے روز نئی بے بنیاد افواہیں پھیلاتے رہے یہاں تک کہ مرشد اعظم فقیر ابراہیم رحمۃ اللہ کے کان بھرنا شروع کئے تو انہوں نے مذکورہ فقہ پر تحقیق کرنے کے لیے اپنی 2 رکنی ٹیم مولانا محمد علی عارف کرلیں اور مولوی عبدالسلام چن مقرر کی۔ دونوں حضرات نے اُستاد محترم غلام حسن حسنسویت دوسرے 3 علماء کے تعاون سے تمام قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر رپورٹ تیار کی۔ حتمی رپورٹ کے لیے جامعہ شاہ ہمدان سکردو کے علماء کے ساتھ میٹنگ کے بعد مفتی اعظم علی محمد ہادی کے ہاں 2 دن قیام کیا۔ اُن کے کتاب خانے میں موجود 8 قلمی نسخوں کی روشنی میں فائنل رپورٹ لکھ کر شرکائے علمائے کرام اور راقم نے دستخط کیے۔ اس کے بعد راقم اور مولوی عبدالسلام براہ میں مفتی سید جمال الدین کے ہاں پہنچے۔ مولوی عبدالسلام صاحب نے کمپیوٹرائزڈ فقہ احوط کی اشاعت سے فائنل رپورٹ تک کی بریفنگ دی۔ مفتی جمال الدین نے تمام باتوں کو غور سے سننے کے بعد فرمایا جب آپ تمام علمائے کرام بشمول غلام حسن حسنو نے مفتی علی محمد ہادی کی سربراہی میں یہ شاندار کام تکمیل کو پہنچایا ہے تو اب میرے دستخط کی کیا ضرورت ہے؟ خیر کافی گفت و شنید کے بعد اُس تحقیقی رپورٹ پر سید جمال الدین مرحوم نے دستخط کیے، اور انہوں نے یہ تجویز بھی دی کہ اس تحقیقی رپورٹ کو مطبوعہ فقہ کے شروع میں فہرست مضامین سے پہلے لگا دیں۔ پھر رپورٹ فقیر ابراہیم مرحوم کی ٹیم نے اُن کو پیش کی اور ساتھ ہی سید صاحب کی تجویز بھی بتادی۔ فقیر مرحوم نے متعدد میٹنگز کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ سید صاحب کی تجویز کے مطابق اس تحقیقی رپورٹ کو فقہ

احوط میں بطور ضمیمہ شامل کیا جائے اور فقیر ابراہیم مرحوم کی حکم کے مطابق عمل کرتے ہوئے ناشر نے علماء کی اس تحقیقی رپورٹ کو کمپیوٹرائز کر کے فہرست مضامین سے پہلے چسپاں کیا۔ لیکن 21 اگست کو فقیر ابراہیم کی اچانک موت کے بعد ماسٹر رستم علی انجم سلنگی صاحب اُن کے جانشین مقرر ہوئے۔ موصوف جب تک بلتستان میں تھے فقہ احوط کی اشاعت اور تحقیقی رپورٹ کے حوالے سے علمائے کرام اور مرشد اعظم فقیر ابراہیم مرحوم کے کیے گئے فیصلوں کی پاسداری کرتے رہے بلکہ اس حوالے سے ٹیلی فون پر لوگوں کے سوالات کے حقائق پر مبنی جوابات دیتے رہے۔ اُن ٹیلی فونک کالز میں سے کراچی انجمن صوفیہ نور بخشہ کے اراکین کے سامنے ماسٹر رستم علی انجم اور اُن کے ساتھ ٹیلی فونک گفتگو اس لنک پر دستیاب ہے۔ <https://rb.gy/0epc3x>

اُسی سال سردیوں میں ماسٹر رستم علی انجم صاحب المعروف مرشد وقت کراچی وارد ہوئے تو اُن شریک وں کے ہاتھوں یرغمال ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور فقہ احوط کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن کی اشاعت پر ایک مذمتی قرارداد پر دستخط کر کے اپنے ہی مرشد فقیر ابراہیم مرحوم کے حکم کی لاج نہیں رکھ پائے۔ اُن جہلا کے مذمتی قرارداد کی مضحکہ خیز بات یہ تھی کہ پہلے فقہ احوط کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن پر نظر ثانی کرنے والے علمائے کرام کی خوب مذمت کی گئی پھر رستم صاحب بلتستان پہنچ کر تحقیق فرمائیں گے۔ کیا دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلے خوب مذمت اور علماء کی پکڑی اُچھالے پھر انہی سے تحقیق کا راستہ اپنایا جائے؟؟

بوار رستم صاحب بلتستان واپس پہنچ کر تحقیق تو نہیں کی البتہ علامہ محمد بشیر مرحوم کے بیٹے عرفان کو بیوقوف بنا کر اُن سے بطور وارث حق مترجم کو خپلو انجمن کے نام تحریر لکھ کر لے لیا حالانکہ علامہ مرحوم نے اپنی زندگی میں کبھی حق مترجم کا دعوا نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے برملا کئی بار فرمایا تھا کہ میرا ترجمہ کردہ کتب سلسلہ نور بخشہ کے لیے وقف ہے کوئی بھی پرنٹ کرنا چاہے تو اجازت عام ہے۔ بہر حال علامہ صاحب کے بیٹے سے انجمن صوفیہ نور بخشہ حق طباعت لے کر اُسی شریک وں کو پرانا فقہ جو بہت سے اغلاط سے پر تھے، اشاعت کے لئے دے دی اور ساتھ ہی انہوں نے فقہ احوط پر کام کرنے والے علمائے کرام کے خلاف گھیر اتنگ کرنے کے لیے ایک دستخطی مہم کا آغاز کیا لیکن کئی جگہوں سے اُن کے اس فعل پر کافی تنقید اور اعتراضات ہوئے اور یوں وہ دستخطی مہم کامیاب نہ ہو سکے تاہم سید جمال الدین صاحب کو دھوکے میں رکھ کر اُن سے دستخط لے لیے گئے۔ پھر عوامی توجہ حاصل کرنے کے لیے پہلی بار سید جمال الدین مرحوم کو خصوصی طور پر خپلو خانقاہ میں جلسے کی

صدارت پر بٹھایا گیا اگلے سال تک سید جمال الدین سمجھ چکے تھے کہ اُن کے ساتھ دھوکا ہوا ہے اس لیے دوبارہ جلسے میں شرکت سے معذرت کر لی۔

راقم نے سید جمال الدین کو بطور محلہ دار نہایت خودار شخصیت کا مالک پایا۔ وہ نذرو نیاز پر انحصار کرنے کے بجائے خود کما کر کھانے کو ترجیح دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ کافی عرصہ تک ڈاک خانے میں سلائی مشین بھی ہوتی تھی جس پر وہ لوگوں کے کپڑے اجرت پر سیتے تھے۔ بچپن میں راقم کے کئی اسکول یونیفارم کی سلائی اُنہی کے ہاتھوں ہوئی۔ سید جمال الدین نے تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد سرکاری نوکری کرنے کے بجائے تبلیغ دین پر توجہ دی ورنہ اُس دور میں اگر سید صاحب چاہتے تو سرکاری نوکری کر سکتے تھے لیکن اُنھوں نے اہالیان براہ کے لیے دینی تبلیغ کو مقدم رکھتے ہوئے معمولی آمدنی کے عوض پوسٹ آفس فرنیچر پر کام کیا اور ساتھ ساتھ سلائی مشین کے ذریعے کسب حلال کو فوقیت دی۔

اہالیان براہ کے ہاں سید جمال الدین مرحوم ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ دیگر علاقوں کی نسبت براہ کی فضا کو گروپ بندی اور مفادات کی جنگ کے شعلوں سے محفوظ رکھنے میں اُن کا کلیدی کردار ہے یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے براہ سے بے شمار خرافات کو ختم کیا مثال کے طور پر ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے پہلے زمانے میں ماتمی جلوس خانقاہ سے شروع ہو کر آستانہ کے چکر لگا کر واپس خانقاہ تک آتے تھے اُس درآمدی عمل کو ختم کیا۔ راقم نے جب ہوش سنبھالا تو محرم کے دنوں میں علم، تابوت نکالا کرتے تھے اُن ماتمی علم اور تابوت کو لوگ چومتے تھے اور روٹی و دیگر اجناس کو اُن علم اور تابوت کے کپڑوں پر مل کر سالوں بطور تبرک خیر و برکت کے لیے رکھتے تھے۔ میرے بچپن کے تمام ساتھی محرم کے دنوں میں علم کو اٹھانے اور تابوت کو چومنے میں پیش پیش رہتے تھے لیکن نہ جانے کیوں مجھے بچپن سے ایسا کرنا اچھا نہیں لگتا تھا حالانکہ اُس وقت نہ کسی نے بتایا کہ یہ چیزیں درست نہیں لیکن لاشعوری طور پر مجھے لگتا تھا کہ یہ سب کچھ دکھاوے کی چیزیں اور رسمیں ہیں جن کا واقعہ کربلا سے دور کا واسطہ نہیں ہے۔ کچھ عرصے بعد سید جمال الدین نے اس خرافات کو بھی مکمل بند کروایا۔ لیکن تابوت اور علم کے لیے استعمال ہونے والے کپڑے کافی عرصہ تک ماسٹر خلیل مرحوم کے ہاں موجود تھے۔ ایک بار راقم لاہور سے چھٹیاں گزارنے براہ پہنچا تو خانقاہ کے باہر وضو خانہ اُن رنگ برنگی چمکیلے کپڑوں سے سجایا ہوا تھا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ کچھ معتکفین حضرات خانقاہ میں اربعین کے لیے بیٹھے ہیں اُن کے لیے خصوصی پردے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ میں

نے کہا وضو خانہ کے لیے پردہ کا اہتمام تو بہت اچھی بات ہے لیکن بہت سے لوگوں کی دلوں میں ان کپڑوں کے ساتھ بے پناہ عقیدت احترام ابھی باقی ہیں لوگ ان کو تبرک سمجھتے ہیں اور آپ لوگ اس کو وضو خانے کے لیے استعمال کر رہے ہیں تو وہ کہنے لگے ہم نے سید جمال الدین سے پوچھا ہے اُن سے اجازت لے کر ایسا کیا ہے۔ میں نے پوچھا سید جمال الدین نے کیا فرمایا؟ جواب دیا کہ تابوت علم وغیرہ نکالنا ہی دین کا حصہ نہیں ہے تو اُس چیزوں کے لیے استعمال شدہ کپڑوں کا کہیں بھی استعمال جائز ہے۔

شاہ صاحب محرم کے دنوں میں جدید قسم کے نوحہ خوانی اور سینہ کو بی کے بھی مخالف تھے اُن کا اصلاحی حکمت بھرا اقدام براہ میں بہت کامیاب رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ براہ میں محرم کے دنوں میں جب تک وہ حیات تھے نہایت سادہ طریقے سے ذکر امام حسین کی مجالس کا اہتمام کرتے تھے۔ راقم پچھلے 5 سالوں سے آبائی وطن نہیں جایا لیکن اُڑتی خبروں نے بتایا کہ امسال خانقاہ میں نوجوانوں نے خصوصی ماتمی لباس زیب تن کئے اور خوب سینہ کو بی کر کے معدوم خرافات کو زندہ کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ سوشل میڈیا کے ذریعے اس سال بلتستان بھر کے نوجوانوں میں سیاہ لباس اور گلے میں سبز مفلر کے ساتھ نوحہ خوانی اور سینہ کو بی کے انقلاب کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اہل شعور کو یہ خدشہ لاحق ہے کہ نوجوانوں کے اس رجحان پر اگر انہیں تنبیہ کر کے صراطِ مستقیم کا راستہ جو اہل بلتستان کو میر سید علی ہمدانی اور میر سید نور بخش کے ذریعے پہنچا ہے نہ دکھائیے تو یہ عمل آنے والے چند سالوں میں دور تک جانے کا امکان ہے حالانکہ سیاہ لباس بنی عباس کا پسندیدہ لباس ہے جسے انہوں نے محض مجبان علی و حسین کو فریفتہ کرنے کے لئے اختیار کیا اور اہل بیت نبوی پر بنی امیہ سے بھی بڑھ کر ظلم و ستم کیا چنانچہ امام علی رضاعلیہ السلام نے کالے رنگ کی جگہ سبز رنگ پسند کیا۔

براہ میں میر وعظ کی ذمہ داری اب پسر سید جمال الدین سید مختار کے کندھوں پر ہے سید مختار اپنے والد بزرگوار کے فرامین اور حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں گے یا پھر معدوم ماتمی رواج کو تقویت دیں گے اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا لیکن اہالیاں براہ سید مختار سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلیں گے بلکہ اُن کی لاج رکھیں گے۔ راقم کا خیال ہے کہ اہل براہ اب پہلے کی طرح نہیں رہے۔ یہ لوگ مکمل شعور اور آگاہی رکھتے ہیں لہذا سید مختار سے راقم کی استدعا ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار کے حکمت عملی کو صد فیصد اپنائیں۔

الوداع! اے فخر براہ مفتی سید جمال الدین الموسوی الوداع

نثار حسین براہوی

خدائے بزرگ و برتر نے انسان کو اس عالم آب و گل میں اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اللہ عز و جل اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔ بندگان خدا کی رہنمائی کے لئے انبیاء و رسل مبعوث کئے تاکہ وہ معرفتِ خداوندی کے ساتھ ساتھ عملِ خیر بجالائے اور وجہِ تخلیق کائنات پر غور کرے اور ربِّ کائنات کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ مقصدِ حیات کو سمجھنے کے لئے اشرف المخلوقات بنا کر اس فانی دنیا میں کچھ مدت کے لئے زندگی عطا کی۔ زندگی گزر جانے کا نام ہے۔ ہزاروں انسان گزرے ہیں اور جو آج زندہ ہیں وہ ہر مرنے والے کو کندھا دے کر رخصت کر رہے ہیں، گزرتے لمحات کے ساتھ ساتھ اپنے ہو یا پرائے ان میں سے اکثر کو ہم بھول جاتے ہیں لیکن کچھ شخصیات ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں ایسے کارہائے خیر انجام دے گئے ہیں وہ رہتی دنیا کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

سرزمینِ بلتستان کے ضلع گانگ چھے کے نواحی گاؤں وادی براہ کو خصوصی طور پر مذہبی اعتبار سے ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ وہ اس لئے کہ اس دھرتی کے کئی عظیم ماؤں نے ایسے بیٹے جنم دیئے ہیں کہ وہ رہتی دنیا تک کے لئے ہر ظلمتِ شب کے لئے ضوفشانِ چراغ بن کر ابھرے۔ سلام ہو ان عظیم ماؤں کی بہترین حکمتِ عملی پر کہ جن کے اولادوں نے قرآن و سنت کی تعلیمات کو عام فہم بنانے اور دینِ حقہ مذہبِ صوفیہ نور بخشش کی آبیاری کے لئے تعلیم و تربیت فراہم کر کے تاریخِ رقم کی۔ ان عظیم ہستیوں میں سے ایک حضرت ابوالعرفان براہ والے ہیں جو آج ہم میں نہیں انہوں نے اپنی پوری زندگی دینِ حقہ کے لئے وقف کر رکھا اور نور بخششِ دنیا کو قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں مذہبی تعلیمات کو کما حقہ فروغ دیتے ہوئے کئی شاہکار کتابوں کا اردو ترجمہ کر کے عوام الناس کے لئے ناصرف عام فہم بنایا بلکہ انتہائی نامساعد حالات میں نورِ بخشش کا علم گاڑھے رکھا اور نورِ بخشش کی ڈوبتی ناؤ کو ساحلِ مراد تک پہنچا کے دم لیا۔

موت برحق ہے اور ایک عالم کی موت عالم کی موت ہے۔ ایک نہ ایک دن ہم سب نے اپنی اخروی سفر

ضرور کرنا ہے۔ حضرت سید جمال الدین الموسوی گذشتہ کئی ماہ سے شدید علیل تھے۔ اور بیماری کی شدت کی وجہ سے کئی بار سی ایم ایچ سکرو میں زیر علاج رہے۔ مورخہ چار جولائی کی علی الصبح منع رشد و ہدیت سید السادات و فخر صوفیہ نور بخششہ حضرت سید جمال الدین اس دار فانی سے وفات پا گئے۔

بندہ ناچیز کو بحیثیت شاگرد بچپن سے لیکر آخری دن تک آغا صاحب کے ساتھ علمی محافل میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ جیسے ہی اس المناک موت کی خبر ملی فوراً آغا صاحب کے گھر گئے بعد ازاں بندہ ناچیز نے عوام الناس کو خانقاہ معلی صوفیہ نور بخششہ سے اس المناک موت کی خبر دی۔ جیسے خانقاہ سے باہر نکلا۔۔۔۔۔ ہائے ہر سو ایک غم کا عالم تھا سر زمین براہ میں ہر طرف سے آہ و بکا کی آوازیں تھیں۔ ہر شخص اشکبار جوق در جوق بوا محترم کے محلے کی طرف رواں دواں تھے۔ جوں جوں بلتستان کے طول و ارض میں یہ افسوسناک خبر پہنچی مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ایک کثیر تعداد شریکِ غم میں براہ پہنچنے لگے۔ منتظمین کی طرف سے خانقاہ معلی صوفیہ نور بخششہ میں نمازِ جنازہ کا اہتمام کیا گیا۔ لوگوں کی ایک جم غفیر تھی خانقاہ معلی دوبار کھچا کھچ بھر گئے اس بھرے مجمع سے فخر نور بخششہ جناب مولانا محسن علی ساقی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سید جمال الدین صاحب ایک درویش صفت انسان تھے وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ مولانا صاحب نے ان کی حالات زندگی پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے ان کی عظیم خدمات پر اظہارِ عقیدت پیش کیا۔ نمازِ جنازہ ان کے نور چشم سید محمد مختار الموسوی نے پڑھائی۔ بعد ازاں آغا مرحوم کو اپنے پدر بزرگوار کے قبر اقدس سے بالکل ساتھ آہوں اور سسکیوں کے ساتھ دفن دیا گیا۔ یوں تو انسان نے آخرت کا سفر کرنا ہی ہے لیکن کئی عظیم شخصیات ایسے ہیں جن کی رحلت سے ایک نہ پُر ہونے والا خلا پیدا ہوتا ہے اس کو پُر ہونے میں شانہ صدیاں لگ جائیں۔

سید جمال الدین الموسوی اپنی وضع قطع، لباس اور رہن سہن میں انتہائی سادہ انسان تھے۔ ان کے پاس پہنے کے لئے کپڑے وافر ہوا کرتے تھے مگر اکثر و بیشتر وہی پرانے بدل بدل کر پہنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ ان کا طرز بود و باش انتہائی سادہ اور اسلامک رنگ میں رنگا ہوا ہوتا تھا۔ آغا صاحب انتہائی زیرک قسم کے انسان تھے اور علم شریعت میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ وہ حق بات کو سمجھتے تھے اور اس کو بیان کرنے میں کسی قسم کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے اور جرات ایمانی کے ساتھ مدلل انداز میں بیان فرماتے تھے۔ حضرت میں ایک کمال کی عادت تھی کہ وہ جب بھی تکلم کرتے تو ضرورت سے زیادہ بات نہیں کرتے اور جب کوئی سائل آپ سے کچھ

پوچھ لیتے تو یکدم سے جواب صادر نہیں فرماتے بلکہ تھوڑا ٹھہر کر جواب دیا کرتے تھے بعض دفعہ کچھ سائل فوراً سے جواب نہیں ملنے پر اپنی بات کو دہراتے تھے کہ شاید آغا صاحب نے نہیں سنا ہو۔

آغا صاحب نے اپنی پوری زندگی اہلیانِ براہ کے لئے نہ صرف وقف کر رکھا بلکہ اپنی پسند و نصح کے ذریعے وادیِ براہ کو امن کا گہوارہ بنائے رکھا۔ آپ کے پاس کوئی بھی سائل آتے خواہ اس کا تعلق جس مسلک سے ہو آپ اتحادِ بین المسلمین کا علمبردار بن کر علمِ شریعت کے ذریعے اپنی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ بلتستان بھر سے مختلف تنازعات اور شرعی معاملات اور تمام تصفیہ طلب مسائل کے حل کے لئے لوگ آپ سے رجوع کرتے۔ آپ از روئے شریعت محمدیہ فیصلہ صادر فرماتے۔ آج تک آپ کا کوئی بھی شرعی فتویٰ کسی نے چیلنج نہیں کیا یہ آپ کی علمی بصیرت کا بین ثبوت ہے۔ اہلیانِ براہ آپ مرحوم کی رحلت سے یتیم ہو گئے۔ کہیں بھی جب کبھی کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا فوراً فریقین بواکا نام لیتے اور اپنے مسائل کے حل کے لیے آخری اُمید بوا کو ٹھہراتے۔

حضرت ابو العرفان مرحوم اور سید جمال الدین مرحوم دونوں نے اپنی پوری زندگی وادیِ براہ کے ماحول کو ایک مکمل اسلامی ماحول بنانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ خصوصاً براہ کو نور بخشی دنیا میں صوفیوں کا گڑھ سمجھا اور جانا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ براہ بالا میں خالصتاً صوفیہ کے علاوہ امامیہ کا تصور ہی نہیں۔ آغا صاحب کو اہلیانِ براہ اپنا سر تاج سمجھتے تھے۔ وہ بالائے ممبر سے جو بھی کہتے حرف آخر تھا۔ انہوں نے اپنے دورِ حیات میں براہ کے اندر موجود بدعتوں کے خاتمے کے لئے نہایت محتاط انداز میں حکمتِ عملی اپنائی جس کی وجہ سے براہ میں ماتمی جلوس نکالنے، علم و تابوت نکالنے وغیرہ کا رواج جو ہمارے اسلاف کی تعلیمات کے منافی تھے ان سب کا مکمل خاتمہ ہوا۔ لیکن بد قسمتی سے نور بخشی دنیا میں کئی جگہوں اور علاقوں میں یہ عمل اور بھی زور پکڑ رہا ہے یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ حالانکہ سید جمال الدین مرحوم نے اپنی پوری زندگی قرآن و سنت کی رو سے اہلبیت علیہم السلام کی تعلیمات کے فروغ کے سلسلے میں نہایت احسن انداز میں لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے رہے۔ وہ ایک سچا عاشقِ رسول و محبِ اہلبیت کے داعی تھے۔ آغا صاحب جس انداز میں فلسفہ شہادت امام حسین بیان فرماتے شاید ہی نور بخشی دنیا کا دوسرا عالم یا مفتی ہو جو مرحوم صاحب کی طرح ہو۔ کئی دفعہ آپ نے مرثیہ اور نوحہ خوانی کے اشعار میں اہلبیت سے منسوب جس طرح سے مبالغہ آرائی کی گئی ہے ان کے بارے میں

سختی سے منع فرمایا۔ مساجد اور خانقاہ میں محرم الحرام کے ایام میں الگ الگ گول دائرہ بنا کر نوحہ خوانی کے عمل سے بھی سختی سے منع فرماتے تھے بلکہ ایک دفعہ جب نوجوانوں کی طرف سے الگ سے دائرہ جیسے ہی بنائے آغا صاحب خود آکر اس عمل سے روکا تا کہ عوام الناس کو سمجھ ہو کہ یہ عمل ہماری تعلیمات سے متصادم ہے۔

آغا صاحب کی دینی خدمات میں سے ایک مدرسہ انوار العلوم الاسلامیہ کی بنیاد ہے۔ اس وقت کے نوجوانوں نے پاسداران کے نام سے اس درسگاہ کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ آپ مرحوم نے پورے براہ کی مرکزی حیثیت سے اس درسگاہ کی بنیاد رکھی اور کافی عرصہ وہاں اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مگر بد قسمتی سے کئی سال یہ درسگاہ بند رہے۔ لیکن نوجوانانِ براہ نے اس کی خستہ حالی دیکھ کر آغا صاحب سے مشاورت کی اور آغا صاحب کی سرپرستی میں دوبارہ تعلیم و تربیت کا باقاعدہ آغاز ہوا آج الحمد للہ یہ درسگاہ ایک عالیشان عمارت کی شکل اختیار کر چکی ہے اور ہمارے بچے قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کر کے اپنے قلوب و اذہان کو منور کر رہے ہیں۔

نوجوانانِ براہ کو ان تمام معاملات میں آپ کی سرپرستی حاصل تھی۔ مکتب ہو یا خانقاہ تمام تر معاملات میں نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے داد و تحسین دیتے اور اچھے مشورے دیتے اور گاہے بگاہے نوجوانوں کو اپنی ذمہ داری کا احساس دلاتے اور جب کسی میٹنگ میں بلاتے آپ اپنی حاضری کو یقینی بناتے ہوئے شرکائے محفل کی رہنمائی فرماتے۔ آغا صاحب نے ابو العرفان کی برسی میں اپنے صدارتی خطاب میں کہا تھا کہ میں اور علامہ دونوں نور بخشی دنیا میں جہاں بھی کوئی مسائل کے حل کے لئے بلاتے ہم اپنی حاضری کو یقینی بناتے اور وہاں پہنچ جاتے تھے کبھی چھوڑ بٹ تو کبھی خپلو جہاں ممکن ہوا ہم جاتے ہوتے تھے۔ اور یہ وہ مردِ قلندر ہے کہ جب مذہب کے اندر شیخ سکندر نے کتاب سیرۃ المعصومین کی اشاعت کر کے نوبختیت کی ساکھ کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی تو اس وقت فتویٰ پر سب سے پہلے دستخط ثبت کر کے تاریخ رقم کی۔

آپ مرحوم انتہائی سنجیدہ اور دور اندیش انسان تھے۔ مذہبِ حقہ کے اندر جب بھی عبادات یا معاملات میں کسی بھی عالم یا شخص کی طرف سے کوئی دخل اندازی یا بدعت و خرافات کو ہوا دینے کی کوشش کی گئی تو اسی وقت ممبرِ رسول پر کھڑے ہو کر برملا اس کی شدید الفاظ میں تردید کرتے تھے۔ ان کا یہ بلیتی جملہ زبانِ ذدام ہو گیا تھا۔ (رینوشین موند یو د سالقپا تا نگلیں مکھور شیک ہے) بحر حال آغا صاحب کو نہ صرف عربی زبان پر دسترس

حاصل تھی بلکہ انکی اردو میں کہیں اغلاط کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اکثر خطبہ میں بلتی کے ساتھ ساتھ بطور استعارہ اردو بھی استعمال کرتے تھے۔

آپ عمامہ پہننے میں دوسرے سادات سے قدرے مختلف تھے۔ براہ سے کہیں باہر جانا ہو تو پہن لیا کرتے تھے ورنہ اکثر نہیں پہنتے۔ عمامے کے ساتھ باقاعدہ لباس عیدین کے موقع پر زیب تن کرتے تھے اس وقت آپ کا رعب و دبدبہ کچھ الگ ہی دکھتا تھا۔ جب کبھی کسی محفل میں آپ کی موجودگی میں مجال ہے کہ کوئی دوسرے کا کہ وہ غیر ضروری لب کشائی کرے۔

سید جمال الدین الموسوی کا براہ پر بہت بڑے احسانات ہیں۔ آپ کی خدمات ہی کی وجہ سے اہلیانِ براہ نے جب آپ فریضہ حج سے واپس آرہے تھے تو اس موقع پر فقید المثل استقبال کیا جس کی آج تک کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بڑے چھوٹے، مرد و زن، امیر و غریب سب نے آپ کا پر تپاک طریقے سے استقبال کیا اور محلہ سپنپہ سے آپ کے گھر تک درود شریف کی صدا بلند کرتے ہوئے آپ کے ساتھ والہانہ عقیدت کا اظہار کیا اور جب آپ اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے تو نوجوانانِ براہ نے رسمِ قل یعنی ساتویں کو آپ کی یاد میں ایک شاندار تعزیتی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ جس میں تمام لوگوں نے شرکت کی اور صبح سے لیکر ظہر تک آپ کی روح کی ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کی اور بعد از جمعہ کانفرنس کا آغاز ہوا تمام علماء و مقررین نے آپ کی خدمات پر روشنی ڈالی اور محسنِ ملت کے عظیم احسانات پر زبردست خراج عقیدت پیش کر کے تمام سوگواران سے تعزیت کا اظہار کیا اور آخر میں تبرکات تقسیم کی۔

بندہ ناچیز بھی اسی دعائیہ کلمات سے اکتفاء کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اے اللہ پاک سید جمال الدین الموسوی کی تمام گناہ صغیرہ و کبیرہ کو بخش دے اور ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرما اور ہم کو ثابت قدمی کے ساتھ سلسلہ صوفیہ نور بخشش کی تعلیمات پر کماحقہ عمل پیرا ہونے کی توفیق عنایت کرے۔ آمین ثمہ آمین۔



آہ سید جمالؒ براہ کو یتیم کر گئے

عباس شاہد براہوی

جولائی کا دن ہم کیسے بھول سکتے ہیں بروز ہفتہ حسب روایت ہر کوئی اپنے اپنے زرعی کاموں میں مشغول تھا، دن کے گیارہ بج چکے تھے اتنے میں لاؤڈ سپیکر پر کوئی اعلان ہو رہا تھا غور سے سنا تو کیا سنتے ہیں کہ حضرت علامہ مفتی سید جمال الدین الموسوی براہ والے کا انتقال ہو گیا ہے۔ خبر غم کانوں تک پہنچتے ہی دل بیٹھ گیا، ساتھ بیٹھے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا افسوس کہ اب براہ والے بھی یتیم ہو گئے۔ ہم زرعی کام کاج ایسے تیسے چھوڑ کر آغا صاحب کے گھر کی طرف چل پڑے، جاتے ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ سب کے سب مغموم محلہ پنڈیوا کی طرف محو سفر ہیں۔

یہ خبر موجودہ ٹیکنالوجی کے دور میں بالخصوص سوشل میڈیا نے جنگل میں آگ کی طرح پل بھر میں ہر طرف پھیلا دی۔ شہروں سے کئی دوست احباب کی طرف سے تصدیق کے لیے فون کی گھنٹی بجتی رہی باری باری تمام دوست احباب کو صورت حال بھی بتاتا رہا۔ خبر غم پوری طرح پھیل چکی تھی، دور دراز سے عوام الناس کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ براہ کی طرف رواں دواں تھا۔ جو بھی تشریف لاتے آغا صاحب کے فرزندوں مولانا محمد مختار صاحب وغیرہ، برادر زادوں اور دوسرے لواحقین سے اظہار تعزیت کرتے اور جنازے میں شرکت کی خواہش کا اظہار کر رہے تھے۔ جب قبر انور کی تیاری میں کچھ وقت تھا تو دور دراز سے آنے والوں کی تکالیف کو مد نظر رکھتے ہوئے نوجوانان براہ کی طرف سے ان تمام مہمانوں کے لیے کھانے کا بندوبست کیا گیا۔ پھر نماز ظہر کا وقت ہوا سب نے قریب ہی موجود خانقاہ معلیٰ صوفیہ نور بخشید براہ بالا میں ظہر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد نماز جنازہ بھی پڑھی گئی۔ یاد رہے مرحوم کی نماز جنازہ دو دفعہ پڑھائی گئی پہلے اس لیے تاکہ دور دراز سے آئے ہوئے لوگ تاخیر کے بغیر اپنے گھروں کو واپس پہنچ سکیں۔ پہلی نماز جنازہ کے بعد مہمانوں کے لیے کھانے کا اہتمام تھا۔ اس کے بعد جو جانے والے تھے وہ تو نماز جنازہ پڑھ کر رخصت ہو گئے۔ باقی قبر تیار ہونے کے بعد تقریباً اڑھائی سے تین بجے کے درمیان دوسری نماز جنازہ بھی پڑھائی گئی جو لوگ موجود تھے انہوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد آہ

اور سسکیوں میں آغا صاحب کو سپرد خاک کیا گیا۔ آغا صاحب کی تدفین کے بعد دیگر عوام الناس کے لیے بھی کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

آغا سید جمال صاحب کی ذات کھلی کتاب کی مانند تھی۔ وہ انتہائی امن پسند اور قول و فعل کے پکے تھے۔ جو بات کہتے تھے اس پر ڈٹ جاتے تھے، اکثر اوقات خاموش رہنا پسند کرتے تھے۔ آپ شرعی لحاظ سے مایہ ناز قاضی اور مفتی تھے بارہا یہ سننے اور دیکھنے کو ملا کہ ضلعی ہیڈ کوارٹر خیلو کی عدالت میں کسی کیس کا فیصلہ کرنا پیچیدہ ہو جاتا تو آغا صاحب کے یہاں بھیج دیا جاتا تھا آپ فریقین سے کیس سننے کے بعد دلائل پر مبنی فیصلے صادر فرماتے تھے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ نور بخشوں میں تقلید اور بیعت کے مسئلے پر تنازعہ پیدا ہوا۔ ایک بہت بڑی شخصیت درمیان ہونے کی وجہ سے کوئی خاطر خواہ فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا اس وقت آپ نے تاریخی فیصلہ سنایا تھا جس کے تحت قرار پایا کہ تقلید بھی درست ہے اور بیعت بھی اور جب سیرت المعصومین نامی کتاب منظر عام پر آئی تو اس وقت بھی جن 45 علما نے اس کے مندرجات اور لکھنے والوں کے خلاف فتویٰ دیا تھا ان میں آپ ہی پہلا مرد مجاہد تھا۔ حضرت علامہ مفتی سید جمال الدین صاحب اپنی زندگی کے آخری آیام تک سپریم علما کو نسل صوفیہ نور بخشہ کے صدر اور بعد میں سرپرست اعلیٰ رہے۔ آغا صاحب کی سلسلہ نور بخشہ کے لیے خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ آپ اور آپ کے اولین ساتھی ابوالعرفان حضرت علامہ محمد بشیر دونوں نے مل کر نور بخشی بچوں کے لیے دینیات مرتب کی جو آج بھی پبلک سکولوں میں بچوں کو پڑھائی جاتی ہے۔ جبکہ سرکاری سکولوں میں پنجاب ٹیکس بک بورڈ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

آپ کے قریبی ساتھی اور دیگر علمائے کرام آپ کی مذہبی خدمات کے معترف ہیں کہتے تھے کہ ستر اور اسی کی دہائی میں چھوڑ بٹ اور مشہ بروم کی طرف تبلیغ کی غرض سے جاتے تھے اس وقت مشہ بروم، چھوڑ بٹ کی طرف خیلو سے صرف نیٹکو کی ایک چھوٹی سے پک اپ گاڑی جاتی تھی اور وہ دور دراز علاقوں سے واپسی پر بعض اوقات زیادہ تر خیلو سے بھی علمائے کرام ساتھ ہوتے تھے ان علاقوں سے واپس آتے تو رات گئے خیلو موجودہ بس اڈہ جو کہ اس وقت قبرستان تھا، نیٹکو کی گاڑی سب کو وہاں چھوڑتی تھی۔ زیادہ تر آغا سید جمال الدین صاحب خیلو سے آدھی رات کو براہ پیدل چل کر آتے وہ بھی برس پڑی کے اوپر والی سڑک سے کیونکہ ان دنوں برس چشمے کے پاس سے گزرنے والی روڈ ابھی نہیں بنی تھی۔ کبھی کبھی ننگے پیر چلنا پڑتا تھا ان خیالات کا اظہار

ابوالعرفان علامہ محمد بشیر صاحب کے رسم قل پر تعزیتی ریفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آغا سید جمال صاحب نے خود فرمایا تھا۔ آغا صاحب خود ایک دنیا تھے ہر بات دلائل کے ساتھ کیا کرتے تھے دل کرتا تھا کہ آغا صاحب کی صحبت میں بیٹھے رہیں لیکن افسوس دنیا کی مصروفیتوں نے ہمیں نکلنے نہیں دیا۔

حضرت علامہ سید جمال الدین صاحب درویش صفت انسان تھے۔ شہرت خود چل کر ان کے پاس آتی تھی، وہ اپنی ذات میں انجمن تھے۔ نور بخشی دنیا میں زرخیز سرزمین وادی براہ کے سپوتوں کی گراں قدر خدمات ہیں جن دنوں راولپنڈی میں حاجی شاہین نبی خیلو، ماسٹر جعفر ملدومر، محمد حسین ہنڈیلی، چچا مہدی تھلے، اخوند مہدی کراہنگ اور غلام حسن سکسٹا NYF پاکستان تشکیل دے رہے تھے، اس کا اصل محرک آغا سید جمال الدین صاحب کے بڑے بھائی سید مختار حسین ہی تھے۔ جنہوں نے یہ آئیڈیا دیا تھا کہ نور بخشوں کی ایک الگ نمائندہ تنظیم ہونی چاہیے۔

ابوالعرفان علامہ محمد بشیر صاحب جن کی کوششوں سے ہماری بنیادی کتابیں الفقہ الاحوط، دعوت صوفیہ اور اصول اعتقاد یہ عربی و فارسی سے اردو میں ترجمہ ہو کر آسانی کے ساتھ دستیابی ممکن ہوئی۔ دوسری طرف آپ کے طفیل ماہ نامہ نوائے صوفیہ کا اجرا ہوا جو اب بھی آن لائن جاری اور دستیاب ہے۔ محمد ابراہیم زائر صاحب جن کا شمار بلتستان کے معروف مولفین میں ہوتا ہے دوسری طرف شگر میں نور بخشیت کو دوام بخشنے والی ہستی مولانا غلام رسول صاحب کی خدمات سے کون واقف نہیں؟ یہ اس وقت کی بات ہے جب شگر میں نور بخشیت کا وجود سخت خطرے سے دوچار تھا اس وقت مولانا غلام رسول ہی وہ مرد مجاہد تھے جنہوں نے پیر سید عون علی کے حکم پر لپیک کہتے ہوئے اپنے آبائی گاؤں براہ کو خیر باد کہہ کر شگر میں سکونت اختیار کی اور وہاں سلسلہ نور بخشیہ کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہوئے اگرچہ آج شگر میں نور بخشی آباد ہیں تو وہ مولانا غلام رسول براہ والے کی کاوشوں کی بدولت ہے۔ انہوں نے وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے شگر سے کئی طلباء کو دینی تعلیم کے حصول کے لیے پنجاب کے مدارس میں نہ صرف خود لے کر گئے بلکہ اپنی کڑی نگرانی میں انہیں مربوط و منظم رکھا آج الحمد للہ انہی علمائے کرام کی بدولت شگر میں نور بخشیت بام عروج پر ہے۔ یہ تمام گوہر نایاب شخصیات دنیا کو خیر آباد کہہ کر خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام ہستیوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین



مفتی سید جمال الدینؒ سلسلہ نور بخششہ کا عظیم اثاثہ

ابوالندیم نور علی ڈوغنی

مرحوم و مغفور جناب سید جمال الدین الموسوی یقیناً مسلک صوفیہ نور بخششہ کا ایک عظیم سرمایہ تھا۔ آپ نے اپنی پوری زندگی اس پاک مسلک کی خدمت، اس کی ترقی و عروج اور اس مسلک کی ترویج و اشاعت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ آپ ایک صاف گو اور سادہ مزاج، عالم باعمل صوفی تھے، آپ اتحاد بین المسلمین کا عظیم داعی بھی تھے۔ جب بھی اس پاک مسلک کے لئے ضرورت پڑی آپ نے ہر وقت اور ہر مقام پر مسلک حقہ کے نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فضل و کرم سے آپ کو ان نیک مقاصد میں بے مثال کامیابی و کامرانی عطاء کی۔

ایک دفعہ کہ، جن دنوں میں یونین کونسل ڈوغنی سے ممبر منتخب ہوا تھا، شاہ صاحب سے ملنے ان کے دولت کدے پر حاضر ہوا لیکن شاہ صاحب گھر پر تشریف فرما نہیں تھے بلکہ کسی اور محلے میں کسی کے گھر دعا کے لیے گئے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد آپ تشریف لائے۔ بڑی گرمجوشی اور محبت کے ساتھ ملے، خبر خیریت دریافت کرتے رہے، میرا ماموں موسیٰ حیدر آباد ڈوغنی (ڈوغنی کا سرکردہ) بھی میرے ساتھ تھے، ہم نے شاہ صاحب سے اپنا تعارف بیان کیا اور آنے کا مقصد بتلایا۔ دراصل گمبہ براہ کے ایک اہل سنت گھرانے کی ایک لڑکی کا نکاح ڈوغنی میں ایک لڑکے کے ساتھ ہوئی تھی مگر میاں بیوی کے آپس میں نباہ نہ ہونے کی وجہ سے طلاق ہو گئی تھی، ہم لڑکے سے طلاق لے کے مذکورہ لڑکی کے گھر گئے تھے مگر لڑکی کی والدہ نے یہ کہہ کر طلاق لینے سے انکار کیا کہ لڑکی امید سے ہے۔ لہذا یہ طلاق نہیں ہو سکتی، جبکہ ان کے گھر میں اس وقت کوئی مرد موجود نہیں تھا۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ گاؤں کے کسی سرکردہ کو بلا لائیں یا مفتی احسان اللہ جو کہ جامعہ صدیقیہ اہل سنت براہ میں بطور استاد پڑھاتے ہیں، ان کو بلا لیں، مگر انہوں نے ٹال مٹول سے کام لیتے ہوئے ہمیں فارغ کرنے کا پروگرام بنایا، میں نے کہا کہ چلو اگر آپ کسی کو نہیں بلاتے تو ہم سید جمال الدین کے پاس جاتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں۔ اس طرح ہم شاہ صاحب کے پاس گونا گونا براہ چلے گئے تھے۔ ہم نے معاملہ ان کے گوش گزار کیا انہوں نے پوچھا

کہ کیا واقعی خاتون امید سے ہے؟ ماموں نے جواب دیا حضور اگر خاتون امید سے ہوتی اور اس کا ذہنی توازن ٹھیک ہوتا تو طلاق کی نوبت ہی نہ آتی۔ جب کہ ان کی شادی کو کئی سال گزر چکے ہیں مگر امید سے ہونے کی کوئی صورت نہ نکلنے کی وجہ سے اور شوہر اور ان کے گھر والوں کی شدید نافرمانی کی وجہ سے یہ نوبت آپہنچی ہے۔ شاہ صاحب نے ہماری بات اور پوری تفصیل سننے کے بعد فرمایا کہ طلاق نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، آپ اس گاؤں سے کسی معزز اور معتبر شخص کو ساتھ لے کر ان کے گھر جائیں اور میرا فیصلہ سنا دیں وہ لوگ مان جائیں گے۔ ہم نے سید صاحب کا شکریہ ادا کیا اور گمبہ براہ کی راہ لی۔ گاؤں سے نمبر دار اور ایک دو اور معززین کو لے کر مذکورہ خاتون کے گھر گئے اور ان کے سامنے سید جمال الدین صاحب کا فیصلہ سنایا تو اس خاتون نے کہا کہ ٹھیک ہے اگر شاہ صاحب نے یہ فیصلہ سنایا ہے تو میں طلاق قبول کرتی ہوں۔ کیونکہ شاہ صاحب کبھی غلط فیصلہ نہیں کرتے۔ ہم ان کے علم اور تقویٰ کے معترف ہیں۔ اس طرح ہم اس اہم ذمہ داری سے سبک دوش ہو کر واپس آئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ لڑکی کی والدہ نے جھوٹ بولا تھا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شاہ صاحب کے زہد، تقویٰ اور علم کا نہ صرف نور بخشی بلکہ اہل سنت اور اہل تشیع بھی معترف تھے، یقیناً آپ ایک بلند پایہ عالم اور پرہیزگار صوفی بزرگ تھے۔ آخر میں رب العالمین کے حضور دعا گو ہوں کہ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے، ان کی دین اور مسلک کے لئے کی جانے والی سعی و کوشش کو قبول فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپس میں اسلامی بھائی چارہ اور امن و آشتی کو برقرار رکھتے ہوئے دین اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین یا رب العالمین)





WWW.NAWAISUFIA.COM